

U48237 . Date- 4-01-10

Title - HAYAAT JAWIDHANI YAANI MUNEEB NAIR
JANG MOHSINUD DAWLA MOHSINUL MUI
NAWAB SAYYED MEHDI ALI KHAN BATTORI
KE HALAAT ZINDAGI

Writer - Sayyed Anjad Ali .

Publisher - (Lahore) .

Date - 1908 .

Pages - 96 .

Subjects - Tarkia's Makhbar - Afsar; Mehdi Ali ki
Nawab Mohsinud Dawla Mohsinud Mulla - Sawar
; Sayyed Ahmed Khan Sir - Rifqa .

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هُوَ خَيْرُ الْمَوْلَى
 أَمْرًا عِنْدَ رَبِّهِ

حیات جاودانی

بینی

میر نواز جنگ حسن الدولہ من الملک لڑا ب سید مہدی علی خان بہادر کے
 حالات زندگی

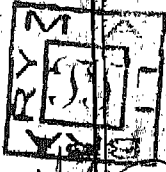
مولانا سید امجد علی صاحب اہری مرتب کیے

بعد نظر ثانی و اضافہ مطالعہ جدید پنجاب منشی محمد رفیع خاں لکھنؤ

۱۹۰۸ء میں پہلی مرتبہ

کتابچہ اہل اسلام و اہل توحید و تہذیب و تمدن

محمد النور کے لکھنؤ



جگر کو ہمیشہ کیلئے مضبوط کر دیا۔ ہر طرح کی آزمائشیاں بڑھ گئیں ہیں۔ جو عمارتیں ناتمام پڑی تھیں وہ بہرہ ویرہ بن گئیں۔

جس نے وہ بڑا بڑا جہاز بنوا دیے ہیں۔
 خصوصاً ان کے ہاتھ میں لکھنؤ، کراچی اور پشاور کی تشریف آوری اور قبول
 ہوئی اس کا بیج نے آگاہی خاص میں کراچی کے حال کیا ہے اور وہ کونسا نام فانی پر سائیکل سکول کے
 ٹیچر کے ہاتھ کی نشان چھپائی میں ایک قابل قضا نامہ بھجوا دی ہے لکھنؤ، کراچی اور پشاور کے مالک غفر علی
 کراچی کے اثرات کی آواز ہوئی ہے۔ یہ شیل بس حسن المکاسب اور کی ذاتی وجہ است اور بار بار کوششوں کی تلاش میں
 اور اب اسے بے سرحوم ابتدا سے ان کی کوئٹہ میں سرحد کے مددگار کے ساتھ تھے مولانا الطاف حسین صاحبی نے زبیر
 کی الیف تھیر زبانی ہے جو بات جاوید سے موافق ہے جس کی قیمت بار بار پانچ سو روپے تھیں لیکن چونکہ ان کی نئی کتابیں
 پیام دسترس سے بار نہیں آسکتے کارخانہ پیدائش میں ان کی کوئٹہ نامہ اور اسی کی تحفہ سو انجمن پانی
 پیش کی گئی ہیں۔ یہ جو کتب میں عام طور سے دیکھی جائیں۔ اور یہ کتاب کو اٹھا مول لینا آسان ہو۔ اور بخیر
 مذہب حسن المکاسب بھادری کی طرح عمری کو اس کتاب سے زیادہ حکم کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ کتاب
 بنایا اور اس کی کاغذ کار کے اس تحفہ سو انجمن سے ابتدا کی جاتی ہے جو کثرت کے ساتھ ہر حصہ
 میں شائع ہوا اور تمام قوم کے لوگ اس کو پڑھ سکتے تھے تو یہ زمانہ عمر کے فضائل و فضائل سے آگاہ ہوں۔
 اس قوم کو پڑھنے کو جتنا بڑا مودہ ہے اس کے عالمی جیسے کہ اس تحفہ میں سے یاد رکھنے اور اپنی احوال
 کو مدد العلوم کا پتہ دینا اور ان کے ہاتھ میں لکھنؤ، کراچی اور پشاور کی تشریف آوری اور قبول ہوئی اس کا بیج نے آگاہی
 اور درود سے۔ اس کے ہاتھ میں لکھنؤ، کراچی اور پشاور کی تشریف آوری اور قبول ہوئی اس کا بیج نے آگاہی
 یونیورسٹی بنانے کے لیے۔ اس کے ہاتھ میں لکھنؤ، کراچی اور پشاور کی تشریف آوری اور قبول ہوئی اس کا بیج نے آگاہی
 کی تلاش کریں تاکہ ان کے ہاتھ میں لکھنؤ، کراچی اور پشاور کی تشریف آوری اور قبول ہوئی اس کا بیج نے آگاہی
 کرے گی۔ انسان کی طرح قوم کے لیے فوری و برتری ثابت ہو گا۔

سیاح علی شہری



لکچرار ہوں گے اسپیکر ہوں گے ، فلاسفر ہوں گے ، قوم کے ہمدرد بھی
 پیدا ہوں گے ، یہ سب کچھ ہوگا لیکن افسوس نواب محسن الملک
 کی سی خوبیوں کا بشر دیکھنے میں نہ آئے گا
 (وفاکار الملک)



سید اوزار محمد عیسیٰ الدار عثمانی لکھنؤ

پہلا مرثوم

تخمینہ

خدا نے وحدہ لاشریک کی صنعتوں اور حکمتوں کے سلسلہ لا متناہی میں انسان سچا
خود ایک ایسا مجموعہ صنعت و حکمت ہے جس سے کوئی مخلوق لگانیں کھاتی۔ ہم دیکھتے
ہیں کہ آسمان ستاروں سے جگمگا رہا ہے لیکن خدا کے ان چمکدار ستاروں نے زمین کو تنہا
آسمان بنا دیا ہے۔ اس لئے کہ خدا کے کافورہ ذرہ آسمانی ستاروں سے زیادہ نورانی و جبروتی
ہے۔ اور جیسے آسمان کے ستاروں میں آفتاب، ماہتاب اور دوسرے ستاروں کی روشنی
آسمان سے زمین تک اپنی روشنی ڈالتی ہے۔ جیسے ہی ان زمین سے ستاروں میں خاص
خاص نورانی پسیر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکتے اور دنیا کو چمکاتے ہیں۔

ہر صدی میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوتے ہیں جو اپنی خدا داد طاقتوں میں آپ ہی اپنا
نظیر نظر آتے ہیں۔ اور ان سے دین اور دنیا کے لیے کام نہیں پڑتا۔ ہوتے ہیں کہ ہزاروں
لاکھوں آدمیوں سے نہیں ہو سکتے اور نہ لاکھوں کروڑوں روپے کی دولت ان کے
جوہر کامل کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ ان کے عقول و افہام کی گنجین بڑے سے بڑے
زنگ خورہ ولادی طفلوں کو کھول دیتی ہیں۔ ان کے دعاغون پر عقل کامل کی وہ
روشنی ہوتی ہے جس سے ظلمت کدہ عالم میں نئی روشنیان ظلمت شمس پدید ہونے
کی طرح جھوٹ نکلتی ہیں۔ اور ہر ایک مختلف طاقتوں کا اظہار ہوتا ہے جیسے

سید احمد خان بہادر نور اللہ مرقدہ جن کے دل کی طاقتوں اور دماغ کی روشنیوں
نے مسلمانوں میں نئی روح پھونک دی اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کے گھروں میں انگلستان
و یورپ کے برقی لیمپ روشن کر دیئے یا

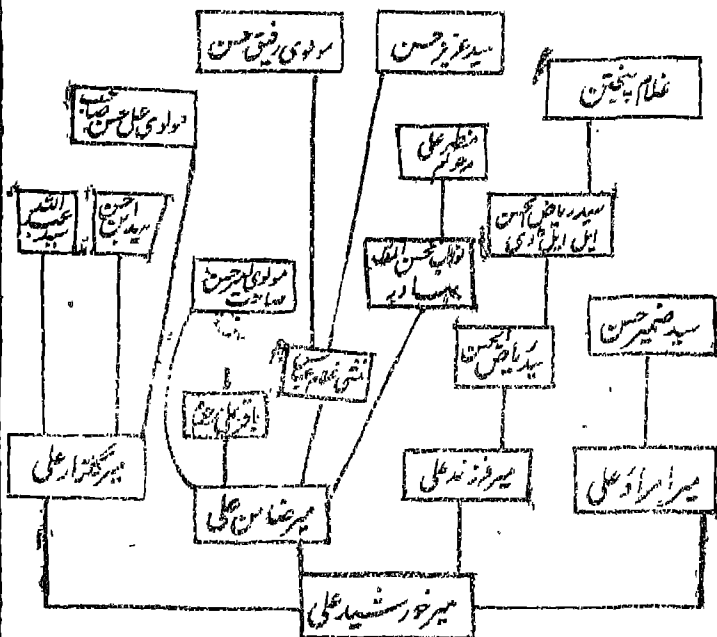
نواب سر سالار خٹک بہادر مرہوم وزیر حیدر آباد و چنگ نظام و دیگر بزرگ
کی ظلمتوں سے نئی روشنی پیدا کی۔ اور حیدر آباد کو ایک جمہوری درجہ سے شاہی گورنمنٹ

کے درجہ تک پہنچا دیا یا
نواب محسن الملک بہادر چکی غصہ سوانح عمری کے متعلق یہ کتاب شائع کی جاتی
 ہے۔ انکا دل سرسید کے مقالات کا خزانہ اور کا دماغ سرسار جنگ کے خیالات کا ذخیرہ تھا۔
 ہمارے نزدیک نواب محسن الملک کی لائیف نہایت دلچسپ اور موقر ہو سکتی ہے۔ لیکن
 اسکا مواد نامنظم شکل ہے۔ جو حرف رازہ بنکر سرکاری دفتروں میں محفوظ ہے۔ نواب محسن الملک
 بہادر کی سوانح عمری کو اعلیٰ حضرت نظام خلد اندو ملکہ۔ سرسار جنگ۔ نواب لائق علیخان
 جہا راجہ زندہ پرشاد۔ سر سہا سچا۔ سر غور شید جاہ۔ نواب اقبال الدولہ۔ اور دوسرے
 امداد کے پرائیویٹ تعلقات اور دیسریان ہند اور برٹش رزٹڈنٹوں کے پراسرار نامہ
 و پیام اور گورنمنٹ انڈیا اور گورنمنٹ نظام کے دوستانہ تعلقات اور نظام پالیٹکس
 اور انگلش پالیٹکس کے سچے سچے خیالات سے اسکا تعلق ہے کہ بغیر خاص منظوری
 کے اسکا مواد سرکاری دفتر سے باہر نہیں آسکتا۔ نظر بران ہمارا مقصد ایک مفصل اور
 مکمل لائیف لکھنے کا نہیں بلکہ ہم ہندوستان کے ہر حصہ میں عام مسلمانوں کو جناب مرحوم
 کے ضروری حالات خیالات سے واقف کیا جاسکتے ہیں۔ جس سے وہ ہر بات میں اپنے
 قومی رفتار کا اندازہ کر سکیں۔ اور انکی تصویر سے گھرنیٹھے اذکی زیارت ہو جائے۔
 جناب مرحوم کی رفتار ترقی تہدی۔ تہدی علی۔ مولوی تہدی علی۔ مولوی تہدی علی
 خالصا صاحب بہادر۔ نسیم نواز جنگ۔ نواب محسن الملک محسن الدولہ نیہ نواز جنگ مولوی
 ہدی علی خالصا صاحب بہادر سے ظاہر ہوگی۔

محمّدی

ممالک مغربی و شمالی کے نقشے میں کانپور اور اکبر آباد کے درمیان جہنا کے کنارے
 راہدہ کی آبادی اسکی قدامت کا نشانہ ہے۔ اسکا گراہو اقلہ اور خرابات کہیں پتہ بتاتے
 ہیں کہ ہم مسلمانوں کی سلطنت سے پہلے ہندوؤں کے زمانہ عروج میں بڑے بڑے راجا
 اور امیروں کے رہنے کے قصر دالان تھے۔ زمانہ کے انقلاب نے ہمیں خاک میں ملا کر چھوڑ
 اور ہمارے خاندان کی آندہ بیویں۔ ہماری نساں کو اڑا کر جہنا میں ڈال دیا۔

الحمد لله



اس شجرہ میں آپ دیکھیں۔ میر نور شید علی صاحب کے بیٹے میر ضامن علی صاحب
اون کو خدائے ۹ دسمبر ۱۸۳۳ء کو یعنی اس سال جس میں انگلستان کے تخت پر ملکہ وکٹوریہ
آبھائی جلوہ افروز ہوئیں (وہ ستارہ روشن عطا کیا جو آگے چلکر آفتاب ہوگا۔ یعنی فرزند
پیدا ہوا۔ تمام برادری میں مبارک سلامت کی دھوم ہو گئی اور چونکہ قدرت نے اس بچہ کو
کو تمام خاندان سے زیادہ حسین و جمیل پیدا کیا تھا اسلئے مہربان ان نے اپنے آغوش کی
زینت سمجھا اور شفیق باپ نے اپنی آنکھ کی پتلی جانا۔ آرزو مند بھائی کو اپنے بھائی سے عشق
ہو گیا۔ محلہ اور برادری کے زن و مرد میں مولود کا ذکر پر جوش تہنیت سے ہونے لگا
نظر بد سے محفوظ رہنے کو لٹڈے باندھے اور تعویذ پہنائے گئے۔ محرم کی ساتویں کو منست
کی ہنسیاں ہر سال اضافہ ہوتی رہیں۔ اور اس وقت کے مناسب حال جو خوشی ہو سکتی
تھی۔ اس میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا گیا۔

ہر سال نذر و نیاز میں اضافہ ہوا تاکہ یہ بچہ ہر طرح کے آسیب و گزند سے محفوظ رہے
خاندان میں نہ ہب شیعو کا دور دورہ تھا۔ علی حسن عباس نقی نقی سب نام جو سارات کیلئے
مخصوص ہیں۔ موجود تھے۔ اور ضامن کو مہدی سے مناسبت ہے اسلئے کہ امام مہدی کو
امام ضامن بھی کہتے ہیں۔ اسلئے مہدی نام رکھا گیا۔ مان اچکے دلوں میں طرح طرح کے
ارمان جوش زن ہوئے۔ اور چونکہ انگریزی درمیں تحصیلداری۔ ڈپٹی کلکٹری۔ صد الصدی
بڑے سے بڑے عہدے سمجھے جاتے تھے اسلئے ہر ایک کی زبان سے بار بار یہی دعا نکلتی
کہ خدا تحصیلدار کرے۔ ڈپٹی کلکٹر کرے۔ صد الصدی رہو۔ کوئی کوئی بی بی جسکے دل سے
شاہی عہدوں کی یاد نہ بھولی تھی کہدتی کہ سہناری ہو۔ پنچہراری ہو۔ یہ سن سن کر خوش
نصیبی کی تہنیت کہہ رہی تھی کہ خدا اس مولود کیلئے جو مانگو وہ دیتے کو تیار ہے لیکن زمانہ کے
انقلاب خیالات کی بلندی کو چھین لیا تھا۔ بزرگوں کی دعائیں ان عہدوں سے آگے
کوئی درجہ نہ دیکھتی تھیں۔ اسلئے بار بار یہی دعا روز بان ہوتی تھی۔ آگے چلکر ہر ایک کی
دعا نے مولود مسعود کو تحصیلداری اور ڈپٹی کلکٹری سے سہناری تک پہنچا کر چھوڑا۔

مہدی علی

وہ بچہ جاہلی بزرگوں کے پیار سے مہدی مہدی پکارا جاتا تھا پندرہ سولہ برس کے سن میں درسیات عربی و فارسی سے فارغ ہو کر مہدی علی کہے جانے کے لائق ہوا۔ اُسکے علم و ادب نے بزرگوں کے دلوں میں اُسکے احترام کی مزید گنجائش پیدا کر دی۔ اور اس ستارہ کی روشنی سے تمام خاندان جگمگانے لگا۔ وہ بن و جانفہ خدا کو شکلات علیہ کو آسان کر دیا۔ جو لوگ سید مہدی علی کی پیچن کی ذہانت و دکاوت دیکھتے تھے وہ اُن کے والد سے یہ پیشین گوئی کیا کرتے تھے کہ آپ کا بیٹا اعلیٰ درجہ کا مولوی ہوگا۔ لیکن جس درجہ پر یہ ہونہار بچہ بڑا ہو کر پہنچا وہ ان میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ بچہ نہ صرف بڑا مولوی ہوگا بلکہ ملک اور قوم کی اعلیٰ درجہ کی خدمت انجام دیگا۔

ہر چند اٹا وہ میں علم کا چرچا نہ تھا۔ اور اس خاندان کے بزرگ بھی علم کے رتبہ شناس نہ تھے۔ مگر خود ہونہار مہدی کی صفائی باطن اور روشن باغی نے اُسکو علمی لذتوں کا معرفت آشنہ کر دیا تھا۔ اُسکے جو صاحب علم و کمال ملتا اس سے کچھ نہ کچھ حاصل کرتے۔ آخر کو جب بڑی کتابوں کا نمبر آیا تو مولوی عنایت حسین صاحب کے درسیات کے نصاب کو پورا کیا اور مولوی سلامت احمد صاحب کا پوری سیفین صحبت نے بھی تہایت عمدہ اثر پیدا کیا۔ مولوی عنایت حسین صاحب جو علوم شرقیہ کے عالم سچر اور دینیات کے فاضل جل تھے۔ اصلی وطن اُن کا دیوہ (بارہ بنکی) تھا۔ مگر قسیدہ چھپوندہ اٹا وہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ طبیعت پہلے سے معقول استاذ اور پڑھنے والی تھی۔ اس لئے معقولات پر زیادہ توجہ کی۔ آخر کو استاد کے فیض اور معقولات کے وسیع مطالعہ نے داغ میں ایک نئی روشنی پیدا کر دی اور معقولات کے مطالعہ نے دل کو نئی تحقیقات کی طرف ابھارا۔

مہدی علی کو انگریزی تعلیم حاصل کرنے کا بالکل موقع نہیں ملا تھا۔ کچھ تو اس کے

کہ اس زمانہ تک مسلمان انگریزی تعلیم کی جانب متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ اور غالباً زیادہ تر اس وجہ سے کہ ان کے بزرگ مذہبی غلو کی وجہ سے انگریزی تعلیم سے نفور تھے انہوں نے ہوش بہا لئے پر خود بھی اس کی پروا نہیں کی۔ حتیٰ کہ علیگڑھ کالج کی سکرٹری شپ کے ابتدائی زمانہ تک وہ انگریزی سمجھ بھی نہ سکتے تھے۔ چنانچہ کلکتہ کالج کے موفقیہ خان بہادر مرزا شجاعت علی بیگ صاحب سکرٹری استقبالی کمیٹی کی انگریزی تقریر کے جواب میں منجانب ڈیلیگیٹان انہوں نے جو تقریر کی تھی اس میں کہا تھا۔ ”مرزا صاحب کی انگریزی اسٹیج نے شہر خرموشان کی حالت پیدا کر دی۔ میں تو ان کی اسٹیج ہمیں سمجھ سکتا۔ مگر قیاس ہی چاہتا ہے کہ حسب دستور انہوں نے ممبروں کا خیر مقدم کیا ہوگا۔“ لیکن آخر میں انگریزوں اور انگریزی لڑوں کی کثرت سے صحبت اور انگریزی آب و ہوا میں تنفس کی وجہ سے انگریزی میں لٹنی جہارت پیدا کر لی تھی کہ معمولی تحریر و تقریر کو بھولی سمجھ لیتے تھے۔ باوجود اس کمی کے انہوں نے ملک و قوم کی جو خدمت کی وہ ہمارے اچھے اچھے گریجویٹوں سے سوائے مشکل ہے۔ پانیر نے سن ۱۸۵۷ء میں ان کے متعلق بالکل صحیح ریمارک کیا تھا۔ کہ زمانہ حال کے ان مشہور لوگوں میں جو تعلیم انگریزی سے بے بہرہ ہیں بہت کم اشخاص نواب منیر نواز خٹک محسن الدولہ محسن الملک مولوی سید مہدی علی خان صاحب بہادر کے ہم پلہ ہو سکتے ہیں۔“

اس وقت خاندان میں شیعہ مذہب کے رسم و رواج کا زور شور تھا۔ آئے دن مجلسین ہوتی رہتی تھیں۔ عورت مردوں کا لڑائی سب ایک ایک رسم کو فریض کبار سے بڑھ کر سمجھ رہے تھے۔ عشرہ محرم اور چہلم میں تعزیر داری کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ ادھر ادھر کے پڑھنے والے ذکر جو آگے لگتے تھے وہ بھی پھیلے جاتے تھے۔ سینوں کی ہر بات سے نفرت ظاہر کی جاتی تھی۔ غرض کہ یہ حالات تھے جن میں مہدی علی نے پرورش پائی۔ اور ہوش سنبھال کر دنیا کو دیکھا۔

محرری پیشکاری تحصیلداری

اگرچہ سید مہدی علی کے خاندان میں سرکاری ملازمت کا رواج نہ تھا۔ اور حضرت
ایک صاحب سید ظہور علی صاحب گذشتہ صدی کے وسط میں صدر الصدور اور نواب وزیر
الدولہ کے عہد حکومت میں ریاست لوہانک کے وزیر ہوئے تھے۔ لیکن خدا کو منظور نہ تھا
کہ سید مہدی علی بھی اپنے دیگر اہل خاندان کی طرح بالکل الگ تھلگ رہ کر گوشہ نشین
میں زندگی بسر کریں۔ بلکہ شہیت ایزدی یہ تھی کہ وہ کم نامی سے نکل کر نیک نامی کی
بلند ترین چوٹی پر پہنچیں اور اپنی خدا داد غیر معمولی پرشیدہ قابلیتوں کو دنیا پر ظاہر کریں
ہو نہار صاحبزادہ کے دل میں اپنی اور دنیاوی امور کے تعلق نہی سننے خیالات
اور نہی نہی انگلیں جوشن ہوئے لیکن طبیعت میں ایک طرف سنی اور شیعہ کے درمیان
پر غور کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ دوسری جانب سرکاری ملازمت کی امنگ دلیں آئی۔
اور خود کو حاکم ضلع کے سامنے پہنچایا حاکم ضلع مسٹر ایس او ہیوم شہر جامی کا نگاہیں
تاثر لیا کہ یہ ہونہار لڑکا بڑے بڑے کام انجام دینے کے لائق ہوگا۔ اور فی الفور
دس روپے ماہ وار کی ایک محرری پر مقرر کر دیا۔ اگرچہ جگہ معمولی تھی۔ مگر آئندہ بہبودی
کے آثار نظر آتے تھے۔ مسٹر ایس او ہیوم سید مہدی علی کے قابلمانہ اور شرفیانہ برتاؤ سے
ایسے خوش ہوئے کہ بعد چند سے ۱۸۷۱ء میں اہل مدی برتری کر دی۔ اسی عرصہ میں صدر
پر گیا اور اٹا وہ بھی باغیوں کے حملوں سے نزع سکا۔ اور چند ماہ تک باغیوں کا تھنہ
بھی شہر پر رہا۔ مگر سید مہدی علی اور ان کا خاندان سرکار انگریزی ہی کا دم بھرتا رہا۔
اور قابل قدر خدمات انجام دیں۔ صدر کے فرو ہونے کے بعد جب انگریزی تسلط از سر نو
تاکم ہوا اور مسٹر ہیوم اٹا وہ کو واپس آئے تو مہدی علی کو پیش کار کر دیا۔ ڈیڑھ سال بعد
سرستہ دار کے اپنی پیشی کا کام سپرد کر دیا۔ اس طرح صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ کو بلا
واسطہ ان کی قابلیت سے واقف ہونے کا موقع ملا۔ چنانچہ دو سال بعد ۱۸۷۳ء
میں انہیں تہہ تحصیلداری پر مقرر کر دیا۔ اب گویا انہوں نے شہرت کے زینہ پر قدم

رکھا۔ کیونکہ بالکل ہمتی کی صورت میں ان کی اعلیٰ قابلیت اور تدبیر کے نتائج براہِ راست ان سے منسوب نہیں ہو سکتے تھے۔ اب زمانہ نے ترقی ساتھ مولویت کا سہرا مہدی علی کے پر رہا ہوا۔ اور اب وہ مولوی مہدی علی کہے جانے لگے۔ آگے چکر شہرت عام اور بھانے دوام کا طرہ لگے گا۔ لیکن قبل اسکے کہ ان کی سرکاری خدمات کے کارناموں کا ذکر کیا جائے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص واقعہ کا کچھ حال لکھیں جو ان کے حالاتِ زندگی میں مناسب گھ پانے کا مستحق ہے۔

مولوی مہدی علی

جب عربی اور فارسی کی درسی کتابیں نکل چکیں۔ تو معقولات و مذہب کی کتابوں کے سیر و مطالعہ کا خاص شوق ہوا۔ اور طبعیتِ سنی اور شیعہ کے مقدمات میں چہانِ مین کوٹنے لگی۔ مریضوں اور مسلمانوں کی جگہ کتبِ مناظرہ سے پچھی پیدا ہوئی۔ شہر کی مسجدوں میں شیعوں کو جماعت سے نماز پڑھتے اور وعظ کہتے دیکھا اہل علم کی باتیں سننے کا موقع ملا۔ شیعوں کی قلت اور شیعوں کی کثرت کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ شیعہ غرضِ غرض پڑھنے اور تقریر بنانے سے بہشت میں نہیں جاسکتے۔ اور شیعوں کے پہرے بہشت کے دروازوں پر قائم نہیں ہو سکتے کہ وہ کسی سنی کو بہشت میں نہ آنے دیں۔ اور نہ لاکھوں کروڑوں سنی شیعوں کے عام خیال کے موافق دوزخ میں جھونکے جاسکتے ہیں۔ شیعوں کا یہ کیسا خیال ہے کہ اپنے لئے میرا فیس اور مرزا دیر کے نوہ و سلام سن کر دو آنسو ٹپکنے پر قطعی قہقی ہوئے کا فیصلہ کریں اور شیعوں کے نماز و روزہ کو فضول سمجھ کر ان کو سزاوار دوزخ جانیں۔ ایک طرف تو یہ خدشات پیدا ہو رہے تھے۔ جو ایک ذی علم و روشن خیال شخص کے دل میں پیدا ہونے ضروری ہیں۔ پیشکاری اور تحصیلداری پر مامور رہنے سے اکثر اعلیٰ عہد داروں سے ملنے کا اتفاق ہوا جو سنی مذہب رکھتے تھے۔ ان کی صحبت نے سنی مذہب کی خوبیوں کو اور زیادہ استوار کر دیا۔

دوسرے کوئی شیعہ عالم و مجتہد موجود نہ تھا جو ایک ایسے محقق اور روشن خیال عالم کے خدشات کو دل سے دور کر سکتا اور نگہ بین سوائے سوز و مرائی یا معمولی کتابوں کے وہ ذخیرہ موجود تھا جسکے دیکھنے سے خدشات و وساوس دور ہو سکتے۔ اور دوسری طرف سنی جماعت کے با اثر مشاہدات سامنے آتے اور شیعوں کے مقابل سنیوں میں بعض ذی علم جنگے ساتھ مولوی سید ہمدی علی کا ربط ضبط تھا۔ شیعہ مذہب کی بڑھتی ظاہر کرنے کی زیادہ قابلیت رکھتے تھے۔

اسلئے مولوی ہمدی علی صاحب کی طبیعت میں گروہ شیعہ سے نکل کر سنی جماعت میں ملنے کی خاص رغبت پیدا ہوئی۔ یہاں تک کہ انہوں نے ایک روز علانیہ اعلان کر دیا کہ اب وہ سنی ہو گئے ہیں۔ اس خیال کے ظاہر ہونے سے ان کے خاندان اور شیعہ پارٹی کو سخت رنج پہنچا اور اسکے مقابل سنی پارٹی میں عید ہو گئی۔ تمام اٹاؤں کے سنیوں نے ان کو اپنی مسجد میں لیجا کر اپنا پیشوا بنایا۔ اور مولوی ہمدی علی صاحب نے خود کو ایک بڑی جماعت کا پیشوا دیکھا۔ اور دور دور کے علماء اور مشائخ اور صاحبان کو گونے لے مصافحہ کو ماتھے بڑھائے۔ جو ماتھے بجائے خود ایک تاثیر سے خالی نہ تھے۔

اب ان کو یہ شوق پیدا ہوا کہ اپنے سنی ہونے کا ایک نمایاں ثبوت پیش کریں جس سے تمام ہندوستان کی سنی جماعت اور سپر فخر و ناز کرے۔ اسکے لئے وہ سنی اور شیعہ کے مناظرہ پر بعض معرکہ الارامقدمات کے فیصل کرنے پر آمادہ ہوئے اور انہوں نے آیات بینات نام ایک کتاب لکھی۔ جو ابتدائیں جزاً جزاً بطور رسالہ شائع ہو کر ترقی تھی اس میں کچھ شک نہیں کہ مولوی ہمدی علی صاحب نے اپنے پہلے مذہب کو اپنے دوسرے مذہب سے شکست دینے میں بڑی طاقت خرچ کی ہے۔ اور شیعوں کو شکست اور سنیوں کی فتح میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ جب چھپ کر کتاب شائع ہوئی تو مولوی ہمدی علی صاحب کے برادران شیعہ میں سے ان کے ایک بھائی نے آیات بینات کا جواب لکھا۔ جس پر شیعہ ویسے ہی فخر کرے۔ تم میں جیسے سنی آیات بینات کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں پس کن دونوں فرقہ سے زیادہ خود مصنف کو اس کتاب سے

فائدہ پہنچا۔ اسکی آنکھوں کے سامنے دو نوذہب کے واقعات کھل گئے۔
اس تصحیف کے مصنف کو ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا پولیٹیشن بنا دیا۔ اور نہ صرف
پولیٹیشن بنایا۔ بلکہ اسکی قوت تحقیق و تنقید نے نہایت اعلیٰ درجہ تک جج بھی بنا دیا۔
رسول مقبول کی رحلت خلافت کی بحث علی ابن ابی طالب کی وصایت امیر
معاویہ کے دعوے امام حسن کی جلیحدگی نے پالیٹکس کے نہایت گہرے معانی و
مطالب کو پولیٹیکل شان سے سمجھا دیا۔ اور بلیغ فکر اور دوسرے دعاوی کی تیق
اور فیصلہ نے وہ سبق دیا جس سے ایک ایسا روشن خیال جج بننے کی پوری تعلیم
حاصل کر سکتا ہے۔

ہم کو اس مقام پر اس کتاب کا ریو لو کرنا مقصود نہیں اور نہ ہم سنی و شیعہ کی
بحث میں پڑنا چاہتے ہیں۔ اسلئے اس باب میں خاصہ فرسائی کرنا نہیں چاہتے۔
مولوی مہدی علی کے مذہب کی نسبت یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ ابتدائاً
وہ نہایت غالی شیعہ تھے۔ جب شیعہ سے سنی ہوئے تو کوئی جوہ خالی نہ جانے دیتے
تھے۔ جس میں جامع مسجد میں منبر پر بیٹھ کر وعظ نہ کہتے ہوں۔ اور جب سرسید کی پارٹی
میں شریک ہوئے یا عرف عام کے بموجب نیچری بنے تو وہ سرگرمی دکھائی کہ سرسید
کے خلیفہ بلا فضل قرار پائے۔ اسکے متعلق ایک لطیفہ مشہور ہے کہ جب انہوں نے
سرسید کی حمایت میں مضامین لکھنے شروع کئے تو ایک سنی صاحب نے ان کے کشتی
غیر سے جا کر ارزاہ تا سفت کہا کہ نہایت سنج و افسوس کا مقام ہے کہ آپ کا عزیز
مہدی علی نیچری ہو گیا۔ جس کا جواب سنی صاحب کو یہ ملا کہ ”میاں! ہم تو مہدی علی
کو اتنی دن روٹیٹھے تھے۔ جس روز وہ اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر سنی ہوا
تھا۔ اب تو تمھارا سہ لٹے روٹنے کا موقع ہے کہ وہ سنی سے نیچری ہو گیا۔“

تخصیص داری

لئے لو میں جب لو می مہدی علی صاحب عہدہ تخصیص داری اٹا وہ پرما مور ہو تو تمام

شہر کو خوشی ہوئی۔ مولوی مہدی علی صاحب مسٹر ہیوم کلکٹر و محکمہ ٹریڈ (دھاتی میل
کانگریس) کیجان دوو قالب تھے۔ مسٹر ہیوم کی توجہ اور تائید سے جو کام مولوی
مہدی علی صاحب نے زمانہ تحصیلداری اٹا دہ میں کر لئے وہ ادون کے بعد کسی تحصیلدار
و کلکٹر کی کارگزاری میں نظر نہیں آتے۔ اٹا دہ کی تمام پختہ اور عریض سٹیشن
مولوی مہدی علی صاحب کی ڈوگا رہیں۔ اٹا دہ کا مشہور گنج جو مسٹر ہیوم کے نام سے
بنوایا گیا۔ مولوی مہدی علی صاحب کی حسن تدبیر سے ہزاروں روپے کے خرچ میں تیار
ہوا جس سے آج ہزاروں روپیہ سال کا کارایہ آتا ہے۔ اٹا دہ کی کچھری تحصیل جسکے
شل نشانیکرہیں تحصیل کا مکان نہ ہوگا۔ مولوی مہدی علی کے نقش اولین کو باد
دلاتی ہے۔ جب مسٹر ہیوم کی جگہ مسٹر پاک اٹا دہ کے کلکٹر ہو کر آئے تو وہ بھی مولوی
مہدی علی کی مٹھی میں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں طبیعت شناسی کی خاطر
قابلیت رکھی گئی تھی۔ ان کے عہدہ تحصیلداری کی کامیابی کا یہ ثبوت ہے۔ کہ
انہیں ٹیٹی کلکٹری کے اختیارات تحصیلداری اٹا دہ ہی کے زمانہ میں مل گئے تھے۔
اٹا دہ کا مدرسہ اور منصفی اور کوتوالی وغیرہ کی عمارتیں مولوی مہدی علی صاحب کے
وقت میں تیار ہوئیں۔ کسی کام میں ہزاروں روپے کا خرچ کر دیا۔ اور پھر اس خرچ کو دوسری
جگہ سے بدرا کر ادینا مولوی مہدی علی صاحب کا معمولی کام تھا۔ ایک رتبہ سنی کام
کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی تو مسٹر ہیوم کی جیبی لئے کہ مہاراجہ جیاجی راؤ گوالیار کے
پاس جا پہنچے۔ اور وہ ان سے کام بنا کر اس خرچ کو پورا اور مسٹر ہیوم کو خوش کر دیا۔
خصوصیت ان کے آئندہ کارناموں خصوصاً علیگڑہ کلج کی سکرٹری شپ کے
زمانہ میں نہایت نمایان طور پر نظر آتی ہے۔

اسی زمانہ کا ایک اور واقعہ ذکر کرنے کے لائق ہے۔ وہ یہ کہ ۱۸۷۳ء میں انہوں نے
ڈیٹی کلکٹری کے لئے امتحان مقابلہ پاس کیا۔ اور بہت سے لکڑیوں تک سے
امتحان میں اول نمبر پر رہے۔

۱۸۹۹ء میں صاحب کشتور (الہ آباد) کی سفارش پر مولوی سید مہدی علی خان بہادر کو گورنمنٹ سے خلعت ملا۔ اس زمانہ میں سرسید ولایت تھے۔ اس کی مبارکباد دیتے ہوئے ان کو سرسید نے لکھا تھا۔ ”بھائی مہدی! تم بائیں اخبار الہ آباد کے ایک آرٹیکل کا ترجمہ سنو۔ وہ لکھتا ہے کہ آج کل ہندوستان میں مسلمانوں کے خاندان روز بروز ٹھٹھتے جاتے ہیں۔ چنانچہ صرف بنگال میں تمام سرکاری ملازموں میں چند مسلمان ہیں۔ سودھی ضعیف العمر ہیں اور جلد پنشن لینگے۔ اور ان کی جگہ یقیناً کوئی مسلمان نہیں ہوگا۔ اور آئندہ بجز چیراسی اور دفتری کے کوئی مسلمان بغیر عہدہ پر نہیں ہوگا۔..... جو عزت کم کو خدا دے وہ تمام قوم کی عزت ہے۔ اور مجھ کو وہ ہری خوشی ہے ایک قومی۔ دوسری خاص محبت جہودیت کی اللہ تعالیٰ ہمیشہ باقبال رکھے“

مولوی مہدی علی خان صاحب در

ڈپٹی فکٹسری پرماسور ہو کر مولوی سید مہدی علی صاحب مولوی مہدی علی
خان صاحب بہادر ہو گئے۔ اور دروہکاروں وغیرہ سرکاری کاغذات میں انہیں بظنون
سے یاد کئے جانے لگے۔

واضح رہے کہ خان بہادر کا خطاب سرکاری نہ تھا۔ بلکہ بوجہ اپنے عہدہ کے وہ
مہدی علی خان بہادر کہے جانے لگے تھے۔

سرسالار جنگ کی قدروانی

حیدرآباد کے مشہور وزیر سر سالار جنگ نواب محمد تراب علی خان بہادر مرحوم لکھتے
کو لگے تھے۔ جب دہان سے لوٹے تو مرزا پور میں گذر ہوا۔ یہاں مہدی علی صاحب کو
دیکھا۔ پہلا اچھ تو اونکی صورت دیکھتے ہی ہوا کیونکہ اس زمانہ میں مولوی مہدی علی صاحب
ایک یورپین معلوم ہوتے تھے۔ دوسرے جو باتیں ان سے کیں اور جس خوبی سے مولوی
صاحب نے اون کے جواب کیونکہ اس فرزند لیکھا نے تھاپ لیا کہ برٹش گورنمنٹ کے
جواہر خانہ میں یہ لعل نجیب مراد دولت آصفیہ کے لائٹ ہے اور ۱۸۷۷ء میں گورنمنٹ سے
انکی خدمات حیدرآباد کو منتقل کرالین اور بارہ سورہ پیہ ماہوار پر ہندو بہت ملک خود عہدہ
انکے جنرل مال کا کام سپرد ہوا۔ مسٹر فریدون جی جولج ہر اکیسویں مدار المہام کے پرائیویٹ
سکریٹری بن ان سگو مولوی مہدی علی صاحب نے اپنا دست راست بنایا اور اورنگ آباد
میں بیٹھ کر کام شروع کیا۔

منیر نواز جنگ مولوی مہدی علی خان صاحب

چند ماہ کے بعد سر سالار جنگ نے مولوی مہدی علی صاحب کی پڑھ لکھ کو دیکھ کر اور پوری
صاحب کی زبان سے اس ملک کے حسب حال نئی نئی اسکیموں کے تجویز میں شکر مولوی

کو اپنے پاس رہنے کے لائق خیال کیا اور اس خیال سے محمد الگزار می مقرر کر دیا گیا۔ تمام ملک کی وزارت مال کا چارج مولوی صاحب کے سپرد ہو گیا۔ اور جلد ہی جن کا گذاری منیر نواز جنگ بہادر کا خطاب باضافہ صدر دپہ ماہوار کے دیا گیا۔ اور حکمہ بندوبست بھی ان کے ماتحت رکھا گیا۔ یہاں ان کو اپنے مدبرانہ صفات کے ظاہر کرنے کا پورا موقع ملا۔ اور وہ بہت جلد حکمہ سپیش و بندوبست کے کثیر ہو گئے۔ اور ریاست و رعایا دونوں کی بہتری کے واسطے مناسب لگان تمام زمینوں پر لگا دیا۔ آنریبل سر اسٹوارٹ لفٹنٹ گورنر بنگال نے ۱۸۸۶ء میں انہیں لکھا تھا کہ تم نے حکمہ جات سپیش - بندوبست اور مال گذاری کو ایسے عمدہ اصول پر قائم کیا ہے کہ حضور نظام کے ہاں میں تمہارے انتظامی کارناموں کو وزیر اعظم کے بعد صوبہ بہتر خیال کرنا ہوں۔ سر سالار جنگ نے ۱۸۸۷ء میں منیر نواز جنگ مولوی سید مہدی علی خان بہادر کو اپنا مالی سکرٹری مقرر کر لیا۔ اور پورا اطمینان اور بھروسہ ظاہر کیا۔ سر سالار جنگ منیر نواز جنگ بہادر کی ہر ایک کارروائی سے بے حد خوش ہوتے تھے۔ اور ان کے پاس گذارتے۔ چنانچہ ان کا مقولہ تھا کہ اس شخص کی صاحب رائے اور نکتہ منجی پر مجھے جس قدر اعتماد ہے اتنا کسی اور کی رائے پر نہیں ہے۔

نواب محسن الملک محسن الدولہ منیر نواز جنگ مولوی

مہدی علی خان بہادر

مولوی مہدی علی خان صاحب در کی خداداد قابلیت نے ہر کام کو اس میں خوبی سے انجام دیا کہ سالار جنگ جیسا شخص جنگ دہ گیا اور تمام ملک میں اس کی تعریف زبان زد خاص و عام ہو گئی۔ اسکے بعد سر سالار جنگ کا انتقال ہوا تو ان کے نامور فرزند محمد اسطفت نواب لائق علی خان صاحب بہادر مدد المہام ہونے کے ساتھ ہی اپنے باپ کے مستند محمد منیر نواز جنگ مولوی مہدی علی خان صاحب بہادر کو اپنا دست راست بنایا

اور ۱۸۸۴ء میں انکو مستوفی فنانس و پولیٹیکل کیا گیا۔ اس وقت گویا منیر نواز جنگ کے اثر و اقبال کا ستارہ نصف النہار پر تھا۔ اس عہدہ کے تحت میں ریاست کے تمام محکمہ جات پر انگریزی چل رہی تھی اور برٹش گورنمنٹ اور نظام گورنمنٹ کے رسل و رسائل اور نامہ و پیام بھی ان کے ذریعے سے ہونے لگے۔ اور تمام خدمتوں کو عام طور سے انجام دینے پر نواب محسن الملک محسن الدولہ منیر نواز جنگ مولوی امجدی علی صاحب بہادر کا خطاب اور سربراہی کا منصب عطا کیا گیا۔ اور تین ہزار روپیہ ماہوار کی تنخواہ ہوئی اس ترقی و ترقیز کو نظام اسٹیٹ کی تمام پارٹیوں اور تمام امرا و عہدہ داران نے پسندیدہ نگاہ سے دیکھا اور ہر دل نے خوشی سے قبول کیا۔

حیدرآباد میں یہ قبولیت نواب محسن الملک ہی کا حصہ ہے جو سوائے ان کے کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ برٹش ریڈیشنوں نے بھی ان کو سب عہدہ داروں سے بہتر اور فرائض کے قابل جانا۔ اور نواب محسن الملک بہادر کی کارفرمائی نے وہ ناموری اور بلند نامی چل کی جو انکا حصہ ہو گئی۔ ایسی جگہ رہ کر یہ بات انہیں کو نصیب ہوئی کہ ہندوستان سنی شیعہ۔ دکنی و آفاقی۔ پابندی و عدم پابندی سب ان کے پیش ہے۔

۱۸۸۵ء میں جو محض حیدرآباد دکن کی ریاست میں پڑا اس کی رپورٹ انہوں نے نہایت قابلیت اور محنت سے لکھی اور گورنمنٹ ان خط کے سہالات کے جواب ایک بڑی رپورٹ میں لکھے۔ جس میں ایک کامل خلاصہ حیدرآباد کے محکمہ مال کی تاریخ کا شامل ہے نیز انہوں نے سب سے پہلی رویداد گورنمنٹ نظام کے ہر قسم کے محاصل کی رتبہ کی۔ جو شکایت میں شائع ہوئی۔ یہ کام انہوں نے ایسی محنت اور جفاکشی سے انجام دیا کہ ان کی صحت میں خلل آ گیا۔ اور وہ ایک سال تک ایسے بیمار رہے۔ کہ انہیں زمانہ میں اپنے ماتحت مہرشتوں کی نگرانی بھی نہیں کر سکتے تھے۔ سر سالار جنگ اعظم نے اپنی وفات سے ایک سال پہلے جو ایک نہایت اہم اسکیم اصلاحات کی رپورٹ پیش کی کو بھیجی تھی وہ محسن الملک ہی کی دماغی قابلیت کا نتیجہ تھی۔ ان میں سے بعض اصلاحیں سر سالار جنگ اعظم کی زندگی میں جاری ہو گئی تھیں۔ مگر باقی اصلاحیں

۱۸۵۷ء میں جاری ہوئیں۔ سرسار جنگ کی وفات کے بعد سرسار ٹھٹھا میں
اور جس نے محسن الملک کی خدمات عظیمہ کی بڑی قدردانی کی اور دونوں نے
ان کی لیاقت اور ہنر وائی فن کی گورنمنٹ کی نسبت ان کی وفاداری کی بے حد
تعریف کی تھی۔ سرسار جنگ ثانی کے عہد میں بھی ان کا وہی اعزاز قائم رہا۔ جو
سرسار جنگ اول کے عہد میں تھا۔ اور اس زمانہ میں بھی کوئی اہم کام ملے
مالی اصلاح کا بخیر ان کی رائے کے نہیں ہوتا تھا۔ جس زمانہ میں وہ فنانس اور
پولیس ڈپارٹمنٹ میں تھے۔ اس زمانہ میں ایک جنرل فنانس کمیٹی قائم ہوئی
تھی۔ جس کے وہ سرکاری مقرر ہوئے تھے۔ انہوں نے ان خدمات کو بھی
ہدایت عملی سے انجام دیا۔ حیدر آباد کی سڑک پہلی انتظامی رپورٹ انہی کے
متم سے نکلی۔ جس کے نمونے پر بعد میں رپورٹیں لکھی جانے لگیں۔

ولایت کی روانگی

بعد چندے نواب لائق علی خاں صاحب عہدہ مدارالمہامی سے علیحدہ ہوئے
اور امیر اکبر سر اسما سنا جاہ بہادر کو مدارالمہامی کیا گیا۔ تو ہر چند اس زمانہ میں نواب
دقار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب مرجع عام ہو گئے۔ لیکن خاص کاموں
میں نواب محسن الملک بہادر کا دقار اپنی حالت پر قائم رہا۔ اس زمانہ میں نواب
محسن الملک بہادر کو مستحقاً چند تہا پہنچ سکا۔ فیصلہ کرنے کیلئے انگلستان بھیجا گیا۔ نواب
فتح نواز جنگ ستر مہدی حسن اور ستر فریدون بھی درجواب ہزار اسلحہ مدارالمہامی کے
پرائیویٹ سکریٹری ہیں۔ ان کے ساتھ کئے گئے۔ اس معاملہ کو بھی نواب
محسن الملک نے بڑی دانتندی و عاقبت اندیشی سے طے کیا اور نظام گورنمنٹ
کو سیکڑوں انگریز حیدہ داروں کی نالائش و فساد سے بچا لیا۔ جنکے تعلقات میں سردار
دلیر جنگ عبدالحق مرحوم سابق عہدہ دار و معتبر سردار نظام نے بڑی پیچیدگیوں
پیدا کر دی تھیں۔ اس مقدمہ کی نواب محسن الملک نے لندن کی اسپیشل کمیٹی

کے روز وہ ایسی قابلیت سے پیروی کی کہ حضور نظام اس انتخاب کی کامیابی سے
بہت مسرور و غلط ہوئے۔ اور حسن الملک پر اور بھی زیادہ اعتماد و اعجاب کرنے لگے۔
دوران قیام انگلستان میں انہوں نے وہاں کے بہت سے مشہور و معروف لوگوں
سے ملاقات کی۔ جن میں سے ایک مسٹر گلیڈسٹن بھی تھے۔ جو اس زمانہ میں انگلستان
کے وزیر اعظم تھے۔ مسٹر گلیڈسٹن حسن الملک کے لکھنے والے خوش ہوئے کہ ان سے
میلے تک ۱۸۹۰ء میں ایک پریوینٹ خط و کتابت رکھی۔ مسٹر گلیڈسٹن سے
عالی مانع شخص کی دوستی میں کی قابلیت کی بہترین ضمانت ہے۔

حیدر آباد سے رخصت

پھر آسمانجاہ بہادر کے آخر عہد وزارت میں بعض ناواقفیت اندیش لوگوں
کی مخالفت اور آپس کی نفسا نفسی نے تمام پارٹی کو درہم برہم کر دینے کا موقع پایا۔
اور شمالی ہندوستان کے وہ روشن دانشور جو آسمان حیدر آباد پر آفتاب مہتاب
نیل و عطارد بنکر چمک رہے تھے۔ ڈٹ ڈٹ کر زمین پر گر گئے۔ اور مشرکوں
صاحب بہادر وزیر پینٹ حیدر آباد سے الگ دو سرے کی مخالفت سے فائدہ اٹھانا
چاہا۔ تاکہ نظام کو رخصت کر کے اپنی جگہ میں بند کرنے کا موقع ملے۔ اور اسی عرصہ
میں سر اسحاق جی ڈارلنگ کی وزارت کو شکست ہوئی اور نواب اقبال الدولہ کو دارالہمام کرایا
گیا۔ ان کا خیال پہلے سے یہ تھا کہ پرانے عہدہ داروں کے مگنی جانے سے ان کی وزارت
کو استحکام حاصل ہوگا۔ اس لئے ان کے تقرر سے پہلے بعض کارروائیاں کر دی گئیں
اور حقوڑے عرصہ میں نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب چیت سکری
دارالہمام اور نواب فتح علی خان صاحب شرمیدی حسن صاحب چیت جسٹس انسپکٹر
اور نواب حسن الملک بہادر مولوی انسپکٹر برائے قضا میں کو شہادت میں کیے۔ جس سے رخصت
کیا گیا۔ ۱۸۹۱ء میں نواب صاحب حسن الملک حیدر آباد سے رخصت
ہوئے۔ اوتھاروں کوئی ایسی رخصت کر کے کہ اس کے لئے اس میں ہونا چاہئے۔

اگر اسے لیکر غراتاکہ پہنچے کہ لگ مچھو دیتے۔ کوئی جنگگیر بہتا تھا۔ کوئی قدم چومتا تھا۔ اور ایسا تو کوئی نہ تھا۔ اور ہزاروں قطار روانہ ہو۔

انگریزین کو اب سرور جنگ بہادر متحدہ پیشی علی حضرت کا نمبر آیا۔ آخرین شمس العمار مولوی سید علی صاحب بگرامی مستدریس لکھنؤ و مدینہ اور جناب مولوی سید علی حسن صاحب ناظم بند و بست ملک محمودہ درکن مجلس مالگنداری باقی رہے تھے۔ انکو بھی آپس کی نفسا نفسی نے حیدر آباد میں رہنے نہ دیا۔ چنانچہ

مولوی سید علی صاحب ولایت چلے گئے اور مولوی سید علی حسن صاحب رونو مہر کیوسل رہا۔ استاذ و مریدین۔ جو سنٹرل انڈیا کا صدر مقام ہے۔ اور اب تمام کچھ یورپویٹوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ اور سترہ واکر صاحب پست اور اب حسن الملک کی جگہ سب کی دیکھ بھال فرماتے ہیں اور بعض لائق دکنی و دراسی اُمنہ دیکھنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔

اصلاح و فائز

واضح ہو کہ جب ہم اسلامی سرسار جنگ بہادر ازل نے محسن الملک کو مقتدرہ قرار دیا تو یہ قرون کی یکہ نیست تھی کہ تہارون غلیبن اور لاکھوں کاغذات پہلے کھیلے کپڑوں میں بندھے ہوئے بیٹوں ہمارے دیکھے جاتے تھے اور فرسٹ حکم جاریتہ اور اہل عملہ اسیہ گدوں یا رین اور جاجم۔ کہ فرشتوں پر بیٹھے نظر آتے تھے۔ اسی پر حکم جاریتہ کی دوسری حالتوں کا قیاس کر لیجئے۔ مستمیر اور افسروں اور ذمہ دار عہدہ داروں کی تنوائیں بھی اس درجہ و منصب کی عورتوں کے حسب حال نہ تھیں جو عہدہ داران سرکار انگریزی کے مقابلہ میں اگر مشاطہ نظام کی عورتوں کا اظہار کر سکیں۔ ان کے عہدہ دار سواروں کے بھی پابند نہ تھے۔ کہ کس درجہ کے عہدہ دار کو کس درجہ کی سواری اختیار کرنا چاہیے۔

نواب حسین علی خان صاحب انگریزی طریقہ سے نہایت عین نظام گورنمنٹ کے عہدہ دار

کو بہرہ وجہ آراستہ کیا اور سرکاری کے مناسب حال تنخواہوں میں اضافہ کرایا۔ اور جو سواری جسکے مناسب حال تھی اسکے رکھنے کا قاعدہ مقرر ہو گیا اور تمام دفاتروں کی پرتال ہو کر تمام شلوں اور کاغذوں کی باقاعدہ ترتیب کرائی گئی۔ اور ہر عینہ کے بستوں کے جدا جدا رنگ تجویز ہوئے اور تمام محکوم کو میز کرسی اور مناسب درجہ فریجنر سے آراستہ کیا گیا۔ اور محکمہ بندوبست نے آپ کی کارگزاری و کار فرمائی سے اس ملک میں نظام عملی کو ایک نئی صورت میں جلوہ گر کیا جس سے نظام اسٹیٹ کی ترقیوں میں قابل قدر اضافہ ہوا۔

رعایا کے کام جو سالہا سال سے پڑے ہوئے تھے ان کے نکلنے میں بہت بڑی جانفشانی کا اظہار کیا۔ مال کے کاموں میں حیرتناک قابلیت ظاہر کی۔ جس پر سالار جنگ جیسے مدبر نے آپ کو لائٹانی معتمدان لیا پھر عماد السلطنت نواب لائق علی خان کے عہد وزارت میں نظام گورنمنٹ کے مالی اور ملکی کاموں کو جو شہرت مزید حاصل ہوئی۔ وہ سب نواب محسن الملک کے عام پسند طرز عمل اور کاؤڈلی کا نتیجہ ہیں۔

سر لیپل گرین کے مفیل کا جواب

سر آسمانجاہ کے زمانہ وزارت میں جب نواب محسن الملک بہادر کو انگلستان بھیجا گیا۔ تو وہاں برٹش گورنمنٹ کے مشہور پولیٹیشن سر لیپل گرین سے رجہون لے امیر عبدالرحمن خان کو تخت نشین کابل کیا تھا۔ اور جو سنٹرل انڈیا کے مشہور ریڈینٹ رہ گئے تھے، ملنے کا اتفاق ہوا۔ سر لیپل گرین نواب صاحب کے ملکر ایسا خوش ہوئے اور نواب صاحب کی باتوں کو انہوں نے ایسا قابل قدر خیال کیا کہ وہ تمام ہندوستان میں صرف نواب محسن الملک اور خلیفہ محمد حسین خان صاحب مرحوم سابق وزیر اعظم بنگالہ کے کاموں کو تعریف کا سخی خیال کرتے تھے باقی ہیں۔ اسی زمانہ میں انہیں گرین صاحب کے ریڈینٹ حیدر آباد ہونے کی

خبر شائع ہوئی تھی اور سرسبیل گریفین نے حیدرآباد کی بدانتظامیوں پر ایک پمفلٹ چھپوایا تھا۔ اس پمفلٹ نے پولیٹیکل و ماغون مین ایک غیر معمولی اثر پیدا کر دیا تھا۔ کیونکہ سرسبیل گریفین جیسے عہدہ دار کا پمفلٹ کوئی معمولی کاغذ نہ سمجھا جاتا تھا۔ وہ ایک ایسی تحریر تھی۔ جس پر ریڈنٹی حیدرآباد اور فارن آفس سے لیکر وزیر ہند تک کا خیال جمع ہوا۔ نواب محسن الملک بہادر نے بڑی جبار سے اس پمفلٹ کا جواب دیا۔ اور نظام گورنمنٹ کی طرف سے سرسبیل گریفین کے ایک ایک اعتراض کی تردید کی۔ نواب محسن الملک کی یہ تردید نہ صرف ہندوستان کے انگریزی اخباروں بلکہ انگلستان کے معروف اخباروں میں چھاپی گئی۔ اور پمفلٹ کی صورت میں شائع ہوئی۔ جس نے انگریزی خیالات سے اس اثر کو دور کیا۔ اور پھر سرسبیل گریفین نے بھی اس جواب جواب کو دیکھ کر قلم نہیں اٹھایا۔ اور نہ کسی انگریزی اخبار نے نواب محسن الملک کی تحریر کے خلاف کچھ کہا۔ اگر نواب محسن الملک کی یہ تحریر نہ شائع ہوتی۔ تو ممکن تھا کہ سرسبیل گریفین کا وہم فلت فتر ریڈنٹی حیدرآباد اور فارن آفس میں رہ کر نظام گورنمنٹ کی سرکاری کا باعث ہوتا۔

نواب محسن الملک کی ذمہ داریاں

نواب محسن الملک کو اپنے عہد ملازمت میں چار قسم کے کام پیش آئے ایک وہ جو بلا واسطہ اعلیٰ حضرت نظام خلد اللہ بک سے منسوب ہیں۔ دوسرے وہ جو نظام گورنمنٹ پر اثر ڈالتے ہیں۔ تیسرے وہ جو نظام اسٹیٹ کے ملازموں اور عہداروں پر موثر ہوتے ہیں۔ چوتھے وہ جو ان نظام کی رعایا پر ہوتا ہے۔ ان چاروں قسموں کو نواب محسن الملک نے اپنے اپنے مقام پر نہایت اعلیٰ درجہ کے دبیرانہ اصول کا پابند رکھا۔ چنانچہ امر اول کی نسبت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ ریڈنٹی حیدرآباد نے اپنی خواہش ظاہر کی کہ وہ حضور نظام کے کاموں کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ چونکہ اس وقت میں اعلیٰ حضرت کی پیشی سے معمولی کام نہ ہوتے تھے اسلئے بعض

علیحدہ کو جبرانی ہوئی کہ رزٹرنٹ کی اس خواہش کا کیا جواب دیا جائیگا۔ لیکن نواب
 محسن الملک نے الفوراً مادہ ہوئے۔ اور جواب دیا کہ صاحب رزٹرنٹ بہادر جہان
 مناسب سمجھیں تشریف لائیں میں اعلیٰ حضرت بندگاہ عالی کے کاموں کا ملاحظہ کروں گا
 چنانچہ چونکہ مبارک پر صاحب رزٹرنٹ نے اپنے آنے کا وقت مقرر کیا۔ ادھر
 نواب محسن الملک نے نہایت اعلیٰ درجہ کی مجلس نمائین میزوں پر چڑا دیں۔ جب
 صاحب رزٹرنٹ تشریف لائے تو ان سے ظاہر کیا کہ یہ سب کتب میں اعلیٰ حضرت
 کے فرامین سے بہری ہوئی ہیں۔ اور واقعی ان کتابوں میں حضور پر نور کی طرف سے
 لکھے ہوئے معجزین کے رسمے پرچے یا چوہداروں کے لیجائے ہوئے زبانی حکام
 درج تھے۔ جو وزیر یا دفتر لیکل و فنانس کے نام جاری ہوئے۔ اور نواب محسن الملک
 نے انکو نہایت تنظیم و ادب کے جملہ کرار زیب دفتر کیا تھا۔ انکو دکھلا کر صاحب رزٹرنٹ
 پر ظاہر کیا کہ ان کتابوں کے ایک ایک پرچہ سے اعلیٰ حضرت کی بیدار مغزی
 اور شانہ کار فرمائی کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ صاحب رزٹرنٹ ان جملہ دیکھو
 دیکھ کر تعجب ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نے محسن الملک کی اس کارروائی پر اپنی
 خوشنودی ظاہر فرمائی۔ کاش نواب محسن الملک کو ایسا موقع ملتا۔ جیسا کہ آج کل
 اعلیٰ حضرت بنفس نفیس امور مہانداری کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔ تو اس میں کچھ شک
 کہ محسن الملک کی بعض بلند خیالیان جو وزیروں کے سببے دل کی دل اور باغ
 کی دماغ میں بند رہیں وہ اعلیٰ حضرت کے سامنے ظاہر ہوتیں۔ اور اعلیٰ حضرت بہت
 عالی مدظلہ عالی کو پورے طور سے محسن الملک کی لاثانی قابلیت کا حال معلوم
 بعد پیش لینے کے بھی نواب محسن الملک کو جب کوئی موقع اعلیٰ حضرت کی بلند
 نامی کا بھانپتا تھا۔ تو وہ اسکو نہ صرف اپنا ذریعہ فخر و سہاوت سمجھتے تھے بلکہ وہ خیال
 کرتے تھے اپنے آقا کے نعمت کا ایک فرض ادا کر رہے ہیں جیسا کہ مخلصین اینگو
 اوٹیل ایجوکیشنل کونفرنس کے اجلاسوں میں بعض شکوہ و سہاس کی تقریریں
 ظاہر ہوتا ہے۔ یا حضور پر نور اور پرنس آف ویس اور ہنر جی امیر کابل کی تقریریں

درستہ العلوم اور قبول دعوت کے موقع پر ان شاہی مہمانوں کا نظام میوزیم میں مختلراً اور علیٰ حضرت کی فکرم قصیر بنایا کرنا دوسرے علیٰ ہذا القیاس۔

دوسری قسم کا کام جو نظام گورنمنٹ پرائیڈ ان اسکی نسبت ہمیشہ ایک خاص غور و مشورہ سے کام لیا اور جو بات حال یا آئندہ کے لئے نظام گورنمنٹ کو نقصان پہنچانے والی معلوم ہوئی اسکی نسبت حکمت یونانیہ کے اعلیٰ اصول کا بڑا نوکیلا۔ یعنی جسے حکمت یونانیہ کا اصول ہے کہ نسخہ میں کوئی دوا ایسی نہ رکھی جائے۔ جو مریض کو نقصان پہنچانے والی ہے۔ اور اگر ضرورت خاص سے رکھی جائے تو اسکا مصلح تجویز کر لیا جائے اسی اصول کی محسن الملک نے پابندی کی۔ یہی سبب ہے کہ محسن الملک کے زمانہ کا فرمانی ملک نظام گورنمنٹ ہر قسم کی ذمہ داری و خدشات سے جو بعد کو پیش آئے محفوظ رہی۔ تیسرے امر کے متعلق نواب محسن الملک نے کبھی کوئی کام ایسا نہیں کیا جس سے عام نظام بد دل و ناراض ہوئے ہوں یا ان پرائس کام کا ناگوار اثر پڑتا ہو۔

چوتھے امر کے متعلق محسن الملک نے ہمیشہ رعایا کی آسودگی اور رفاه عام پر انہیں مجبورہ اصول کی پابندی کی ہے۔ جو گورنمنٹ انگریزی کے ممالک ملحقہ میں برتنے چاہئے ہیں۔ اور جو ہمیشہ بادشاہ کی نیکنامی اور تعریف اور گورنمنٹ کے حسن نظام کا ذریعہ ہو سکتے ہیں۔ اور اسی لئے حیدر آباد کی رعایا بھی نواب محسن الملک کے کاموں کی تحسین پائی جاتی ہے۔ قصہ مختصر چھوٹے ڈر کی آمدنی اور ایک کروڑ دس لاکھ کی آبادی کے ملک کا اس حسنِ فردی اور عام تعریف سے کام کرنا اور پرنسپل خدمات کو اس میں اندیشی و غیر خواہی سے انجام دینا نواب محسن الملک پر ختم ہو گیا۔ اور نواب محسن الملک کے بعد وہ درجہ کسی بھی یا غیر ملکی کے حصہ میں نہیں آیا۔

نواب محسن الملک پور کی آمدنی

نظام گورنمنٹ نے اپنے شہر و آفاق معتمد نواب محسن الملک مولوی سید محمد علی خاں صاحب کو آٹھ سو روپے ماہوار کی پنشن عطا فرمائی تھی اور آٹھ سو روپے

ان کی کوٹھی کا کرایہ آتا تھا۔ جس سے وہ اپنی بلند نامی کی عزتوں کو سادے رہتے اور چھ کر دوسلہاؤن کی رہنمائی اور انکی تعلیم و ترقی کا بہت بڑا کام کرتے رہتے تھے۔ نواب صاحب نے اپنا تمام اند وختہ اور آمدنی کے تمام ذرائع حین حیات ہی اپنی بی بی اور جہان مہدی بیگم کے نام منتقل کر دیئے تھے۔ اور ان کا تمام برائیوٹیکسٹ فرج بیگم جہاں کی ہی رہنے سے ہوتا تھا۔ اگرچہ اپنے ذرائع آمدنی کے لحاظ سے وہ بہت بڑا آدمی نہ تھے مگر ان کی لاشانی قابلیتوں نے ان کو دوسرے اسریت ثابت کیا تھا۔ تمام قوم ایسکو اپنا علیڈر تسلیم کر لیا تھا۔ اور گورنمنٹ ان کے کاموں کو عزت سے دیکھتی اور انکی قدر کرتی تھی۔ چند سال پہلے دس لاکھ روپے کا سرمایہ جمع کر لیا۔ اور ان کی تعداد میں وہ چند ترقی ہو جانا۔ نظام میوزیم اور آسمان منزل وغیرہ عالی شان عمارتوں کی تعمیر حضور پرنس اور پرنسس ف ولس اور نمبر بیٹی امیر کابل کی تشریف آوری اور قبول دعوت پر سب عالی و بلند و روشن خیال محسن اکیس کی تدریسات صاحبانہ ہی کے نتائج تھے۔

سید امجد الحسن الملک

اب چونکہ ہم نواب محسن الملک میر نواز جناب مولوی سید مہدی علی خان بہادر کی زندگی کے اس زمانہ پر پہنچ گئے ہیں۔ کہ وہ سرکار نظام سے پٹن لیکر چلے آئے ہیں۔ اور اب ہم سن قومی خدمات میں منہمک ہو گئے۔ اس لئے مناسب موم ہو رہے کہ قبل اس کے کہ ہم ان کی قومی خدمات کا کچھ ذکر کریں ان کے اور سرسید غفرلہ کے تعلقات بھی اپنے ناظرین کے ذہن نشین کر دیں۔ کیونکہ محسن الملک کی عظمت اسی برگزیدہ ذات کے فیضانِ صحبت کا نتیجہ تھی۔ جس نے بہت کم نام و درون کو شہرت کے نصف النہار پر آفتاب عالم تاب بنا کر چمکادیا۔

سرسید اور مولوی سید مہدی علی خان بہادر کی پہلی ملاقات علی گڑھ میں ہوئی تھی۔ انہوں نے ایک موقع پر سرسید کا ذکر خیر کر سنے وقت کہا تھا۔ کہ میری

ان سے دوسرے پہلی ملاقات ۱۸۶۳ء عین ہولی تھی یہ روشناس ہونے سے پہلے خط و کتابت اور تحریری مذہبی مباحث شروع ہو گئے تھے۔ سرسید نے جب اپنی کتاب تبیین الکلام فی تفسیر التوراة والانجیل علی ملتہ الاسلام (ترجمہ انجیل) شائع کی تو مولوی سید مہدی علی خان کو اسکا دیباچہ دیکھ کر ایسا جوش آیا کہ باوجود جان بچان نہ ہونے کے انہی جوش و خروش میں انہوں نے سرسید کے دیباچہ مذکور کے برخلاف ایک طویل طویل خط لکھ کر بھیجا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مولوی سید مہدی علی خان وہ میں ٹکڑے تھے۔ اس خط میں انہوں نے سرسید کو عقاید اسلام کے مخبر بتایا تھا۔ پھر ایک اور زبردست مباحثہ دونوں کے درمیان ہوا جس کے بعد جب سرسید کے پاس علیگڑھ جانا ہوا اور ان کے مکان پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ دل میں خدشہ تو تھا ہی۔ یہ سمجھے کہ بدھ سرسید نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ قبلہ کونج نہیں ہے۔ جب وہ نماز پڑھ چکے تو اپنا شبہ ظاہر کیا۔ سرسید نے یہ آیت پڑھی۔ ”قَالِیْمًا تُوَلُّوْا فِیْہِ وَجْہُ اللّٰہِ“ جب اس پر خوب بحث ہو چکی تو سرسید نے کہا میں نے اس کو بھی کوٹھیک قبلہ رخ بنایا ہے۔ پھر کہا میں لگا کر ان کو اپنے کہنے کا یقین دلایا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سرسید کی سچائی کا نقش ان کے دل میں بیٹھا۔ اسی ملاقات کے دوران میں سرسید نے مسلمانوں کی ترقی کی نسبت انہیں اپنی عظیم شان اسکیم سنائی جسے مسعود سرسید کے لیے گرویدہ ہوئے کہ سرسید کی دوستی و رفاقت میں از ہمہ بگذشت سرسید کے ساتھ مخالفت نہ بلکہ معاونت و تعلقات کا انہوں نے بمقام علیگڑھ اپنی ایک تقریر کے اندر ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

”مجاہد! میں جب ان دنوں کو یاد کرتا ہوں تو ایک عجیب حالت مجھ پر طاری ہوتی ہے۔ اور اس زمانہ کی تصویر میری آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ مجھ پر وہ دنوں حالتیں گزرنے لگی ہیں۔ حضرت اسرید کی طرف اشارہ ہے کیونکہ سرسید اس وقت یقید حیات اور جدہ بین شریک تھے (کی مخالفت اور نفرت

دونوں کانرہ میں چکچک چکا ہوں۔ مجھے دونوں فرقوں میں شریک ہونے کی عزت حاصل ہے۔ اول اس مخالف فرقہ میں جو مذہبی خیال سے آپ کو مجرا جاتا تھا۔ پھر اس فرقہ میں جو آپ کے خیالات پر ہنسا تھا۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ دونوں فرقوں میں میرا ہی سہرا دل تھا۔ تو شاید مبالغہ نہ ہو گا۔ حضرت کی تکفیر کا فتوے سے پہلے اول آپ ہی کے پریسیڈنٹ نے دیا اپنی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ وہی صدر جلسہ تھے اور انجیل کی تفسیر لکھنے پر سب سے اول آپ ہی کے میر عیسیٰ نے آپ کو چھپا پادری کہا۔ یہ وہی علیگڑھ ہے۔ جہاں سب سے اول فقیر نے حضرت کو تبیین الکلام کے نکتے پر ملامت کا ایک بڑا لبا خط بھیجا۔ پھر یہی وہ مقام ہے جہاں یہ نادان دین اور دل دونوں حضرت کے مذکر کر گیا۔

رشتہ محبت و دوا قائم ہونے کے بعد مولوی مہدی علی خان نے جس سرگرمی سے سرسید کے مشن کی خدمت کی وہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ قیام پاکستان کے زمانہ میں سرسید کو ایک کتاب چھپوانے میں کچھ مالی مشکلات پیش آئیں تو سرسید نے انہیں ایک خط میں لکھا تھا۔ آپ جیسا کہ اور یہ بہت فرض نہ لیا جائے جسٹس مفسر ہے۔ یہ تردید اس لیے جائزہ میں کہ بیان نہیں ہو سکتا کہ مولانا کی حیات جاوید میں مولوی سید مہدی علی خان کو سرسید کی رفاہی مشین کی گاڑی کے ہانکنے میں برابر کی جوڑی قرار دیا ہے۔ سرسید کو ان کی تائید سے بہت اقدار ہوئی تھی۔ اور اس پر وہ فخر کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی نہایت کامیاب کوششوں کے استرقاق کی نسبت سرسید نے لکھا تھا۔ کہ چنی سہل علی بن ہم اور سید مہدی علی مفتی ہیں۔ انہی میں سے ایک یہ ہے کہ اسلام میں جو حقیت نہیں ہے۔ سرسید جب ولایت سے ہندوستان آئے تو مولوی مہدی علی خان کو اپنے آپ کو اطلاع دی ہے۔ اس خط میں سرسید لکھتے ہیں۔ جو تھی یا پنجون کو الہ آباد چکر آپ کے دیدار فرحت کا نام سے ملے ہو گا۔ اور آپ کے قدموں کو مثل فیروز بادہ دوں گا۔ اگرچہ آپ کے قدم چھوڑنے کا چاک لبوں سے ناپاک ہو جائیگا۔ مگر آپ کے

کہ آپ مرحمت دھولیں گے۔ خیر خود ناپاک ہے مگر جس پاک چیز کو وہ مس کرے دھولے سے پھر پاک ہو جاتی ہے۔ افسوس میں نے علی کی جو اپنے تئیں خنیز سے تشبیہ دی۔ وہ تو مجھ سے بہت اعلیٰ ہے۔ خدا نے اس کو یاد کیا ہے مجھے تو سوائی مہدی علی کے اور کوئی یاد بھی نہیں کرتا، مولانا حاکمی حیات جاوید میں فرماتے ہیں: سید مہدی علی کو ہمیشہ ان ربیب کے عقاب آئینہ خط جاتے تھے۔ چنانچہ مرید خود ایک جگہ لکھتے ہیں۔ کہ مہدی کو سوائی غصہ اور خفگی کے کبھی کچھ نہیں ملا، باوجود اس کے سید مہدی علی کا معاملہ ان کے ساتھ شمع و پروانہ کا ساتھ تھا۔

ایک عجیب مگر دل چسپ واقعہ

پہلے مسلمانوں کو انگریزوں سے بڑی رسیدگی تھی۔ ایک میز پر بیٹھ کر کھانا کھا یا چھری کاٹنے کا استعمال ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ سید نے اس کے متعلق ایک رسالہ احکام شرعی کے موافق شائع کیا۔ اور حسب سید ولایت جانے لگے۔ تو انہوں نے اخیال سے کہ انگریزی طریقہ پر کھانا کھانے سے جوئی نسبت ہو چکا قیام بنارس کے زمانہ میں مولانا نے کھانا کھا کر مسٹر سہایتھ جو بنارس میں ایک سوداگر تھے۔ اور سر سید کی کوٹھی سے ان کی کوٹھی ملی ہوئی تھی۔ ایک دن شام کا کھانا یہ ان کے گھر پر جا کر کھائے تھے اور ان کے گھر پر آکر کھاتے تھے سید کہتے تھے کہ

اتفاق سے انہیں دونوں میں مولوی سید مہدی علی خان مرزا پور سے بنارس میں مجھ سے ملے کوٹھے۔ رات کا وقت تھا اور میرے یہاں کھانے کی باری تھی۔ ہم دونوں میز پر بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے کہ مہدی علی آپہنچے۔ یہ پہلی دفعہ تھی کہ مولوی مہدی علی نے ایک مسلمان کو ایک انگریز کے ساتھ کھانا کھانے دیکھا تھا سخت نفرت ہوئی اور باوجود میرے مان مہاجن ہونے کے کھانا نہ کھایا اور کہا کہ میں کہا چکا ہوں۔ صبح کو مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس وجہ سے کھانا نہیں کھایا۔ میں نے کہا کہ اگر آپ کو یہ طریقہ ناپسند ہو تو دوسرے بندوبست کیا جائے۔

انہوں نے سوچا کہ شرعاً تو منع نہیں ہے صرف عادت کے خلاف دیکھنے سے نفرت ہوئی ہے آخر قبول کر لیا۔ اور سبک پہلی دفعہ دن کا کھانا میرے ساتھ میز پر کھایا۔ اور پھر ایک بحث و محبت کے بعد رات کو مسٹر ساجھ کے ساتھ شریک ہوئے پھر نرپور کو واپس چلے گئے یہ حال ایک صاحب نے میرے ایک نامہ زبان دوست کو دنا وہ من کھ بھیجا انہوں نے تمام شہر میں دھنڈ وراپیٹ دیا کہ مہدی علی کرشنا ہو گئے۔ اس خبر کا شہر ہر ہونا تھا کہ مولوی صاحب کے گھر پر حلال خورنے کے راستے نے پانی بھرنا اور سب کے بندھون نے آنا جانا چھوڑ دیا۔ تب گھر والوں نے ان کو لکھا کہ تمہاری بدولت ہم پر سخت تکلیف گزر رہی ہے۔ تم جلدی آؤ اور آس تکلیف کو رفع کرو۔ آخر کار مولوی مہدی علیخان صاحب نے انہیں بزرگ کو جلالت طعام اہل سن کے باب میں ایک طویل خط لکھا اور پھر فراموشی میں آئے اور سب کو گھجایا کہ میں کرشنا نہیں ہوں جیسا پہلے مسلمان تھا۔ ویسا ہی اب ہوں۔ اور پڑی شکل سے لوگوں کا شبہ رفع کیا۔

لیکن شیو بھائی جو پہلے سے تبدیل مذہب پر جلد بیٹھتے تھے۔ اور وہ مولوی صاحب کے سنی ہو جانے سے دل ہی دل میں کڑھ رہے تھے۔ انہیں ایک شکوفہ ہاتھ آیا۔ اور اس پردہ میں انہوں نے اپنے دل کے خوب خوب بخار نکالے لیکن مولوی مہدی علی خان صاحب کی خدا داد ترقیات نے ان باتوں کو دبا دیا۔ اور زمانے کے نئے دوسرے نیکیوں اور شریفوں کو صاحبان انگیز کے ساتھ ہم بیالہ وہم نوالہ دیکھ کر اس خیال پر توجہ کرنا چھوڑ دی۔

شادی اور اولاد

نواب حسن علی صاحب کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔ پہلی شادی خاندان ہی میں اور غالباً اس زمانہ میں ہوئی تھی جب کہ وہ اٹا وہ کے تحصیلدار تھے۔ اس قبیلہ سے ایک لڑکا بھی ہوا۔ جس کا نام مسٹر علی تھا۔ مگر افسوس ہے کہ بیوی اور بچہ دونوں کا انتقال

ہو گیا۔ دوسری شادی انہوں نے غیر کھوین حیدر آباد کی ملازمت کے زمانہ میں کی
ان بچوں کا نام پہلے نورجہان تھا۔ مگر شادی کے بعد نورجہان مہدی بیگم ہو گیا۔ ان کے
بطن کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ نواب محسن الملک کو ان سے بہت انس تھا
اور اپنا تمام روپیہ وغیرہ انہی کے نام منتقل کر دیا تھا۔

حلب

نواب محسن الملک کارنگینا بیت مشخ سپید تھا۔ قد اوسط سے کسی قدر کچھا
ہوا تھا۔ جوانی میں وہ اپنی وضع سے بالکل یورپین معلوم ہوتے تھے۔ اعضاء
تمام متناسق تھے۔ آنکھیں بڑی بڑی۔ چمکدار اور فراست جسم کی علامت۔ مولانا
شبلی لکھتے ہیں ”ظاہری صورت و نشان سے بھی خدائے اُن کو کافی حصہ دیا تھا۔
اُن کے چہرہ سے شان چمکتی تھی۔ اور گورہ سیدھے۔ لیکن تا ناری استخوان کا
دھوکا ہوتا تھا۔“

محسن الملک بحیثیت ایک مصنف مہر کے

نواب محسن الملک کو جس طرح کتابوں کے مطالعہ کا شوق ہمیشہ سے تھا اسی طرح
وہ تصنیف و تالیف کی جانب بھی ابتدا ہی سے مائل تھے۔ سرکاری ملازمت کے
زمانہ میں غالباً جب وہ اٹارن میں تھیں دارفئے انہوں نے مال و فوجداری کے متعلق
نہایت اعلیٰ درجہ کے رسالے زبان اردو تصنیف کئے تھے۔ جب بیورو سے منشی ہوئے
تو کتاب آیات بیانات تصنیف کی جس کی دھوم ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے
تک مچ گئی۔ منسا ہے کہ ابتدا میں یہ کتاب جب تراجم پر اچھپ کر بطور رسالہ شائع ہوا
کر رہی تھی۔ اس کے علاوہ ادب بھی کئی رسالے اُن کی تصنیف ہیں۔ مثلاً تقلید اور ثل
باسمیرت، رادل اول تہذیب الاخلاق کے ساتھ شاعرین نکلا تھا کتاب الحبۃ
والشوق جو نام غزلیں کی کتاب احیاء العلوم کے باب کتاب الحبۃ سے ماخوذ ہے۔ اور
اس کا بھی اشتغال مقام حیدر آباد کن ماہ فروری سنہ ۱۲۸۷ میں ہو گیا۔ سینئر پریپرٹا ہو گیا تھا جس میں
کئی بار تصحیف دیا گیا۔

اس میں صاحب انشوی مولانا روم کے اشعار و حکایات اضافہ کر کے کتاب کو نہایت دلچسپ
 بنادیا ہے۔ سرسید علیہ الرحمۃ کے انتقال کے بعد حسن الملک نے ان کی تفسیر کو پورا کرنے کا
 بھی ارادہ کیا تھا۔ اور علیحدہ کتاب کی ایک بسوٹا تاریخ لکھنی چاہتے تھے۔ مگر کلچ
 کے کاموں سے انہیں اتنی فرصت نہ ملی۔ اور اس لیے حد مفید کام کا ارادہ ان کی نظر
 قبرین و فن ہو گیا۔ ان کی مضمون نگاری کی ابتداء سرسید کے مذہبی مضامین کے
 جوابوں سے ہوئی تھی۔ اور چونکہ طرز تحریر نہایت پراثر اور دل نشین اور نفس معصرونہ تھا
 پر مغز ہوتا تھا۔ اس لیے سرسید کے تمام مخالف نگاروں میں غالباً سب سے زیادہ غیر الفتح
 نواب حسن الملک ہی تھے۔ لیکن جب سرسید نے اپنی غیر معمولی اور مافوق الفہم کثرت
 کے ساتھ انہیں اپنے اندر جذب کر لیا تو نواب حسن الملک نے رسوا قلم کا رخ پھیر دیا اور
 سرسید کی حمایت میں وہ مضامین لکھے کہ ہندوستان کے ایک سرسے سے دوسرے
 سرسے تک پہنچ جی گئی۔ اور وہ نیچری بلکہ کرسیمٹان کہلانے لگے۔ تہذیب الاخلاق
 کے چلانے میں نواب حسن الملک کی سرگرمی صرف سرسید سے دوسرے درجہ پر تھی۔
 مولانا حالی بد فکر لکھتے ہیں۔ کہ زیادہ تر اس تہذیب الاخلاق کے مقبول
 ہونے کا سبب یہ تھا کہ اس کے مضامین کا جزو اعظم سرسید کی دل نشین تحریریں اور
 سید مہدی علی خان کے دل نشین آرٹیکل تھے۔ سرسید کی تحریر کی نسبت یہ بات مشہور
 ہو گئی تھی کہ اس کے دیکھنے کو بد آدمی اپنے عقیدہ پر قائم نہیں رہ سکتا۔ سید مہدی علی
 کی تحریروں پر بھی لوگ سر رہتے تھے۔ ان کے مضامین اور لکچر ان تحریروں میں
 شمار ہوتے ہیں۔ جن سے اردو لٹریچر میں ایک مقبول اضافہ ہوا ہے۔ ایک اور
 موقع پر مولانا حالی نے لکھا ہے کہ سید مہدی علی خان قدیم تہذیب الاخلاق
 میں گویا سید کے برابر کے شریک بن گئے۔ اور اس لئے کوئی تہذیب نہیں کہ جو لٹری
 فوائد ان پر چرنے سے مرتب ہوئے۔ ان کو صرف سرسید کی تحریرات سے منسوب
 کیا جائے۔ کی طرح خواستگار تعلیم مسلمانان ہند نے جو انعامی رسالے
 لکھوائے تھے ان میں نواب حسن الملک ہی کے رسالے اول نمبر کا انعام حاصل کیا

وہ جو کچھ لکھتے تھے نہایت معتبر و مستند افسانے سے لکھتے تھے۔ تہذیبی بال اخلاق کے مضامین لکھنے میں۔ باوجود بنگالیان کی صحت ہمیشہ نازک حالت میں رہی۔ وہ اس قدر تھک ہو گئے تھے۔ کہ سرکاری کاموں میں حرج ہونے لگا تھا۔ سنا ہے کہ ان کے ایک افسر نے سرسید کو لکھا بھی تھا کہ مہدی علی کو سمجھاؤ وہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہوں۔ ورنہ رپورٹ کرنی پڑے گی۔ مولانا شبلی نواب حسن الملک کی نسبت لکھتے ہیں کہ نصیحت و تالیف کے میدان میں بھی مشاہیر کے ہم سر تھے۔ ان کا ایک لٹریچر ہے جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہے۔ قوت تقریر میں بھی وہ بہت متاثر تھے۔ اب ہم ان کی تحریروں کے چند نمونے دکھاتے ہیں۔ جن سے ناظرین کو ان کی طرز ادا کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

ایچی ٹیشن میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کے شریک ہونے کے متعلق وہ لکھتے ہیں :-

ایچی ٹیشن جس کو ہم عمر اکلیا ہندو اور کیا مسلمان دونوں کے لئے مفید سمجھتے ہیں بالفرض وہ اختیار بھی کیا جائے۔ تو کوئی ہم کو ماتھے کی انگلیوں کے برابر بھی سارے ہندوستان میں ایسے مسلمانوں کا نام بتائے جو داد اٹھائی اور درجی کیسی بہت لکھتے ہوں یا ان میں ہر مذہب ذمہ داری کی طرح تقریر اور تحریروں کی قابلیت ہو۔ یا فیر و نشاہ ہمت کی طرح جرات اور قوت رکھتے ہوں۔ یا ٹانگی کی طرح تیس لکھ روپیہ قومی کام میں دینے کا ان میں حوصلہ ہو۔ جب ہم میں نہ بہت ہے۔ حقوقی کاموں میں نیا صنی۔ نہ قوم کے ساتھ ہمدردی۔ اور نہ مولے بائیں بنانے اور رائے دینے کے کام کو لایا جانتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر ہم ہندوؤں کی تقلید کریں تو ہم کب کا میاں ہو سکتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے لوگوں کو جاننے دو اگر ہم اپنے ملک کے ہندو اور پارسی اور عیسائی بھائیوں کی سی لیاقت اور جرات پیدا کریں۔ اس وقت ہم بھی انگریزی ٹیشن کے نام میں آگودہ بھی ایک غلطی ہوگی مگر خیر ہندو بھائیوں کی طرح اپنے کام میں ہم ہم نہایت قدم زمین گئے۔ اور پورا ہندو بھائی اپنی کشش و جذبہ پر توجہ دے گا۔ اور جب یہ غلطی ہوگی۔

تو پھر لیے بڑے ارادے کرنے اور قوم کو خطرہ میں ڈالنے سے کیا فائدہ ہے۔
در کفر ہم کامل نہ زناور را رسوا کن۔

رسالہ تقلید اور عمل بالمحدث میں (ایک فرضی غیر متقلد کی بانی) لکھتے ہیں :-
”شونم تو اسی روز سے آپ کے کفر کے فتوے کے منظر ہیں۔ جب سے ہم نے قرآن و حدیث کو اپنا مستحک بنایا اور زید و عمر کو چھوڑا اور پابندی رسم کی ترک کی حضرت خدا کے نزدیک کافر ہونا چاہیے وہ اگر ہمارے کفر کا فتویٰ دے تو البتہ ہم کو نقصان ہے نہ کہ اگر دنیا کے سادہ بندے ہم کو کافر قرار دیں اور خدا کے ساتھ ہمارا معاملہ راست راست ہو اور اسکے پیچھے کفر رسول کے پیچھے ہم کافر بنائے جاویں تو اس کفر پر ہمارے ہزار ایمان قربان اور ہزار سلامتیں ہیں اور بڑے بڑے امام اور اچھے اچھے ولی اور نامی نامی محقق ہمارے اس کفر کے شریک ہیں اور یہ آپ کا فرمانا کہ اگر ہم ایسا نہ کریں تو دین برباد ہو جائے موجب صد ہزار حیرت، محکہ حدیث پر عمل کرنے میں دین کی بربادی کیا ہوگی اگر آپ کے نزدیک حدیث پر عمل کرنے سے دین برباد ہوگا تو وہ دین جسکا مدار سوائے قرآن و حدیث کے اور کسی پر ہو سکا برباد ہی ہونا بہتر۔“

تعلیم کو قومی عزت کا ذریعہ قرار دیکر وہ لکھتے ہیں :-
”ہم نے مانا کہ ہم مسلمانوں کو اب علوم و فنون کے ایجا کر کے ملی قوت اور کیمج اور سرفروزی و غیر سٹی کے موافق علوم کے در سے جاری کر کے ملی قدرت باقی نہیں رہی بلکہ کسی ڈالنے درجہ کی تعلیم کے واسطے بھی ابتدائی مدارس کے مقرر کرنے کی ہمت نہیں ہے لیکن وہ کون سی چیز ہے جو سرکاری کالجوں اور گورنمنٹ اسکولوں میں جانے کے لئے مسلمانوں کے لڑکوں کے پاؤں کی زنجیر ہے اور وہ کون سی بات ہے جو ان کو اس ابتدائی تعلیم کے حاصل کرنے کی مانع ہے۔ پھر اس سب سے بھی زیادہ عجیب اس بات پر ہے کہ سب کے سب لکھ پر پردہ غفلت کا ڈالے ہوئے اور سو فتنہ برنھا موشی کی مہر لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ کسی کے دل میں تعلیم کے مولف کا خیال آتا ہے نہ کوئی زبان اپنی اس علمی تنزلات سے سبابت بیان کرنے کے لئے کھولتا ہے سب کے سب چپ چاپ خاموش بیٹھے ہوئے ہیں۔“
”عزرت“ کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے جسکا آخری پیرا ہے۔

پھر اگر ہماری قوم نے سوچ سمجھ کر کچھ رسمیں جاری کی ہوئیں ان کی بُرائی بھلائی تحقیق کر کے ان پر عمل ہوئی ہوتی تو بھی کچھ کہنا ان کا لائق لحاظ کے ہوتا۔ پراسوس ہے کہ وحشیانہ تمدن اور عامیاد چلن نے جاری ہونے سے پہلے اس کا لحاظ نہ کرایا اور اب نادانی اور جہالت نے تحقیق سے منع کر دیا لیکن جو لوگ اب اس کی تنقیح پر متوجہ ہیں اور جن کو ہماری قوم نہایت ہی ذلت کی نظر سے دیکھتی ہے۔ امید ہے کہ اپنی محنت کا ثمرہ پادین اور ان کی سچی عزت ان کے مخالفوں کے دل میں ایسی سما جاوے جیسے کہ روشنی ایک تاریک گھیر میں جبکہ اس کا بندر وازہ توڑ دیا جائے۔

اپنے کسی عزیز کو ایک خط لکھا ہے جس کا یہ شروع کا حصہ پڑھنے کے لائق ہے :-

خط تمہارا آیا۔ حال معلوم ہوا میری کیفیت کیا پوچھتے ہو۔ عیان راجہ بیاں :-

ایک سینہ و صبر نہا ر شعلہ ایک دیدہ و صبر نہا باران

تم نے پوچھا ہے کہ تہذیب الاخلاق میں مضمون لکھنا کیوں ترک کیا۔ کیا یہ صاحب سے مخالفت کی یا کفر کے فتوؤں سے ڈر گئے۔ عزیز من نہ مین سید صاحب کے مخالف ہو نہ کفر کے فتوؤں سے ڈرا۔ بلکہ میرے سکوت کا اصلی سبب تم کو معلوم ہے کہ قطع نظر دینی صدقوں کے کئی جیسے سے ایسا بیاں رہوں کہ لکھنا پڑہنا دشوار ہے۔ روزمرہ کا کام بھی بشکل دوسروں کی مدد سے کرتا ہوں۔

عزیز من رتیبہ صاحب کے مخالفت کا زمانہ گزر گیا۔ اب اس خیال کو جانے دو کہ پھر وہ زمانہ آویگا۔ انا احمداً و احمداً نا۔ سخن روحان حلالنا بدنا۔

کفر کے فتوؤں کا ڈر عامیوں کو ہوگا۔ جن کا ایمان برادری کے حقہ پانی پر ہے۔

نہ ان مردوں کو جو اسلام کی حقیقت ان کفر کے فتوؤں سے سینہ و آواز کے بجلی چلانتے ہوں۔

وہ تو ان پادری کا غند درن پر استھیں۔ یہ تو مفسدین کو استھیں۔ مغربیت مشرق کو اڑتے چھتر

ہیں انکھ اٹک کر بھی نہیں دیکھتے اور پندیس کے برابر پندیس استھیں وقت نہیں سمجھتے ان

نزدیک فیلڈ نے اپنی محنت و دوزخ ان کفر کے فتوؤں سے سینہ والوں کو چہ نہیں کردی کہ جس کو

چاہیں وہ حبشہ میں بھیج دیں جہت چاہیں کا فرینا کو دوزخ میں ڈال دیں :-

اگرچہ ایسا بہت کم بلکہ شاذ ہی ہوتا ہے کہ کسی ذات واحد میں تحریر و تقریر کی قابلیت یکساں جمع ہو۔ مگر سید علیہ الرحمہ کی طرح ذوالعین الملک بھی تصور و تصور دونوں کے بڑے دھنی تھے۔ اپنے روز تقریر سے مجلس کو گرمادینا یا نرمادینا ان کے گویا اختیار میں تھا۔ ان کی تقریر میں چھوڑا پن نام کو نہ ہوتا تھا۔ اس میں طرافت ہوتی تھی مگر نہ ایسی جو سنا معین کو گراں گذرے۔ محسن الملک کی کامیابی کے اسباب میں ان کی فصاحت و بلاغت اور توتل تقریر کو شک شک غالب بتایا جاتا ہے۔ چند اقتباسات ان کی تقریر کے بھی ملاحظہ کریں۔

ڈپٹی کلکٹر میمرز پور کے زمانہ میں وہ ان کے ٹائی اسکول میں عربی کے فاضل تحصیل طلبہ کو سالانہ تقسیم انعام کے جلسہ کے موقع پر ان کو مخاطب کرتے ہیں۔ یہ ان کی تقریر کا بالکل ابتدائی نمونہ ہے۔

اے میرے ہم قوم اور ہم طبیب! لون! تم میری باتوں کو غور سے سنو اور مضامین اور دانشمندی سے اُسے سوچو کہ میں تمہاری بھلائی کے لئے کیا کہتا ہوں۔

اگرچہ میں نہایت خوش ہوں کہ تم اپنے قدیم علوم کی تعلیم پر متوجہ ہو اور ایک نہایت دل پراثر کرنے والے شوق سے اسکی تحصیل کرتے ہو اور تم میں سے چند طلبہ نے کامیابی بھی پائی اور فضیلت کے خطاب پالینے سے اپنی عزت حاصل کی۔ مگر حقیقت میں یہ تعلیم ناکافی ہے۔ اور جو نتیجہ علم کا ہے۔ وہ اس سے حاصل نہیں کیونکہ تم نے دو قسم کے علم حاصل کئے۔ ایک منقول دوسرے معقول۔ پہلی تعلیم نے تمکو تقلید میں کامل کیا۔ دوسری نے چند غلط اور بے اصل ادغام کو معقولات سمجھ کی صورت میں تمہارے دل پر نقش کیا۔ نہ اس سے جیسا کہ چاہیے تمہارے دین کو فائدہ ہوا۔ نہ اس میں تمہاری عقل کو ترقی ہوئی نہ یہی تعلیم سے غرض یہ ہے کہ وہ باتیں جو خدا نے اپنے پیغمبر رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی معرفت بذریعہ وحی کے بتائیں اسکی روشنی ہمارے دل پر پڑے اور ہم انکی حقیقت سے واقف ہوں اور انکی حقیقت اور سچائی ہمارے دل پر اپنا ایسا اثر کرے کہ تقلید بلکہ تحقیقاً ہم ان کو تسلیم کریں۔ مگر جو تعلیم تم نے پائی اس نے یہ فائدہ نہیں پہنچایا۔ نہ تم اسکی حقیقت

واقع ہوئے نہ بے واسطہ اس نور کی شعاعیں تھائے دل پر پہنچیں۔ تمہاری یہی تحقیقات ان لوگوں کے قولوں پر ختم ہو گئی۔ جو شل تھائے غیر معصوم تھے اور جن کی رائے میں تمہاری طرح خطا و صواب دونوں کا احتمال تھا۔ افسوس کہ تم نے صحت سے پانی نہیں پیا جو نہایت شیرین اور صاف اور سوتی کی طرح چمکتا ہے۔ بلکہ اس مرض کو اصل چشمہ خیال کیا جو سیر بصل کی طرح گندہ ہو رہا ہے۔ تم نے اپنے دینی عقائد اور مذہبی اقوال کو خدا کی کتاب سے خود تحقیق نہ کیا بلکہ لوگوں کی راہوں اور قولوں اور خیالوں ہی پر اپنے معتقدات کی بنیاد قائم کی۔ تم نے اپنے فقہی مسائل اور شرعی احکام کو بھی باتوں سے رسولِ مصلیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خود دریافت نہیں کیا بلکہ جو لوگ لکھ گئے اور کہہ گئے اسی کو منزلِ امن اور سمجھا اور پھر افسوس یہ ہے کہ اگر تم جاہل رہتے اور کچھ تعلیم نہ پاتے تو تم اس کو راہ نہ تقلید میں پڑنے سے محفوظ رہتے۔ مگر افسوس اور ہزار افسوس اس پر ہے۔ کہ تعلیم نے تم کو یہ نتیجہ دکھلایا۔ اور علم کے حاصل کرنے سے بجائے تحقیق کے تم نے تقلید کو حق جاننا۔

یہ تم نہ خیال کرو کہ سعادۃ اللہ میں نہ یہی تعلیم کو بڑا اجاڑنا ہوں۔ میں کافر ہوں اگر ایسا خیال کروں۔ بلکہ میں ہر مسلمان پر عرض سمجھتا ہوں کہ وہ نہ یہی تعلیم پاوے اور اپنے دنیا بے میں کامل واقفیت حاصل کرے لیکن اگر میں متاسف ہوں تو حضرت اسکی طرز و طریق پر کیونکہ جو تقلیدی تعلیم تم حاصل کرتے ہو یہ حقیقت دینی کے اور اک کے لئے اور ساری شرعی کی حقیقت پر پہنچنے کیلئے کافی ہے بلکہ فراہم ہے۔ انصاف کرو کہ کیا حاصل ہے تم کو تعلیم سے جبکہ تمہارے خیالات میں بلندی اور تمہاری عقل میں ترقی نہ ہوئی اور تمہارے دل نے اصل مذہب کی روشنی نہ پائی۔ اور کیا فرق ہو اور میان ان حامیوں کے جو تمہارے تقلید کرتے ہیں۔ اور درمیان تم عالموں فاضلوں کے جو اور دن کے پچھلے چلتے ہو۔ پس اس تعلیم سے جس سے تم کو راہ تقلید میں تھلک نہ تھائے مذہب کو کیا فائدہ ہوگا

۲۲ اکتوبر ۱۹۰۷ء کو مرزا ابوالحسن علیہ السلام کی تہذیب پر

ایک بسیط لکچر دیا ہے۔ اور مسلمانوں کی گذشتہ موجودہ اور آئندہ تہذیب کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ اس لکچر میں مسلمانوں کے موجودہ انحطاط کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

جو تھنا سبب جو خاص ہندوستان کے بد نصیب مسلمانوں کے تشرلات کا سبب ہوا ہندوستان کا وطن کر لینا اور اپنے اصلی وطن کا چھوڑ بیٹھنا ہے۔ مسلمان جبکہ ہندوستان میں آئے اس وقت نہایت تنومند اور شیخ و سفید و عرقی و تندرست و طبیعتیں بھی ان کی آرا مچھیں۔ دلوں میں بھی ان کے ایک جوش بخار و رسوم کی پابندی سے ان کو خبر نہ تھی۔ مگر جب ہندوستان کو اپنا وطن بنا لیا اور ان قوموں مل گئے۔ جو کہ ان سے قوت میں و لیری میں آزاد میں علم میں۔ معاشرت میں کم تھیں۔ اور چھوٹ اور پر سیز اور رسوم کی پابندی اور تنگ خیالات ان کے رگڑ میں سمارہے تھے۔ تو رفتہ رفتہ وہ بھی ایسے ہی ہو گئے۔ ان اصلی حالتیں بالکل بدل گئیں۔ وہ خون جو ابراہیم کی رگوں کا ہم ہیں تھا۔ بدل گیا۔ وہ ہڈی جو پیدل کے خون سے بنی تھی بدل گئی۔ وہ دل جس میں ہاشمی جوش تھا بدل گیا۔ غرض کہ چڑھا بدل گیا۔ رنگ بدل گیا۔ صورت بدل گئی۔ سیرت بدل گئی۔ دل بدل گیا۔ خیال بدل گیا۔ یہاں تک کہ مذہب بھی بدل گیا تمام وہ جوش جو اٹھتے تھے اس ریتلے جنگل عرب کے جس نے فارس اور تمام سنٹرل ایشیا کو سرسبز و شاداب کر دیا تھا ہندوستان میں آکر پلے آف بن گال میں ڈوب گئے۔

دسیر شہزادہ کی کانفرنس منعقدہ علی گڑھ کے نواب حسن الممالک پریذیڈنٹ تھے ذیل کی عبارت ان کے پریذیڈنشل ایڈرس کا باقل پیلا پیرا ہے:-

بزرگان قوم و ہرادران۔ جو عزت اس وقت آپنے اس معزز اور قومی جلسہ کے صدر اکمن ہوئے۔ ان کی مجھے بخشی ہے۔ وہ ایک ایسی عزت ہے کہ ہر ایک نامور مسلمان اس پر فخر کر سکتا ہے۔ مجھے سانا چیر آدمی جس قدر اس پر فخر کرے امداد کا شکریہ ادا کرے۔ وہ کم اور حقیقت بہت کم ہے۔ مگر جبکہ میں ایک طرف اس معزز خدمت سے مشکل فرماؤں

کہہ دیتا ہوں۔ اور دوسری طرف اپنی ناقابلیت کو۔ تو چاہتا ہوں۔ کہ اس بچاے
مومن کی طرح جسے نمازیوں نے زبردستی نماز پڑھانے کے لئے آگے کر دیا تھا۔ اور وہ
نمازیوں کو سجدہ میں چھوڑ کر سجدے چل دیا۔ میں بھی موقع پا کر کل جاؤں۔ لیکن چونکہ
موقع کے ملنے کی مجھے امید نہیں ہے۔ اس لئے بڑا ہوں یا بھلا آپ کے سامنے حاضر
ہوں اور پتیل آپ کے حکم کے اس کرسی پر بیٹھتا ہوں۔ اگر میں اپنی اس بغیر خدمت کے
فراموشی اور کرنے میں قصور ہوں تو مجھے امید ہے کہ آپ عطا فرمائیں گے۔“

یہ عبارت جو حقیقت ظرافت کی پوٹ ہے ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو بھی سہل معلوم
ہو۔ لیکن جن لوگوں نے اسے نواب محسن الملک کے خاص انداز بیان کے ساتھ
اس جاس میں سنا ہوگا۔ اس کا لطف وہی سمجھ کر بخوبی جان سکتے ہیں۔

مجلس کا رنگ بگڑتا دیکھ کر اُسے سنبھال لینا ان کے نزدیک کوئی بات ہی نہ
تھی۔ جن لوگوں نے لکھنؤ اور دربار کے موقع کی ادبی کانفرنس شرکت کی ہو وہ بھی ان
کی بعض تقریر پر حیرت و حیرت کا واقعہ اور اب جلسہ کا قائم رکھنا محفل لگے سوا کسی اور سے ممکن
نہ تھا۔ ۱۹۳۳ء کے اجلاس کانفرنس میں جس کے وہ پریسیڈنٹ تھے۔ عربی زبان
دان کے رواج کا رزلویشن پیش تھا۔ اور بڑی شد و مد سے بحث ہو رہی تھی۔ سر سید
علیہ الرحمۃ بگڑ گئے۔ اور نہایت غصہ سے کہا کہ جب عمل کچھ نہیں ہے تو دین دین بگاڑ
سے اور مذہبی جوش ظاہر کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ عربی زبان کی طرف داری ایسی ہے
کہ منہ سے کہی جاتی ہے لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ اس نے کیا عمل کیا۔“ چونکہ سر سید
اس تقریر سے سخت غلط فہمی پیدا ہوئے اور آگ پر تیل پڑے اور اس طرح کانفرنس
کی ہر ذل عزیز کو نقصان پہنچنے کا خوف تھا۔ نواب محسن الملک نے بحیثیت پریسیڈنٹ
کھڑے ہو کر ایک نہایت لطیف تقریر کی جس کا یہ ایک ٹکڑا ہے :-

صاحبو! اگر سر سید کے سوائے کوئی دوسرا آدمی ایسی گفت گو کرتا تو میں بحیثیت صدر
انجمن ہونے کے اسے خاموش کرتا یا اس کے جواب میں کچھ کہتا۔ مگر چونکہ سر سید اس کے
کہنے والے تھے۔ اس لئے میں نے کچھ نہیں کہا۔ ان کا کہنا ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ

بزرگ کا اپنے چھوٹوں کی نصیحت کے لئے ہوتا ہے۔ نادان کا خفا ہونا ایسا ہے جیسا
کسی استنا کا اپنے شاگردوں پر ہو کر تا ہے۔ صاحبو۔ میں نے سنبھلے کہ بنارس
کسی راجہ کے یہاں ایک تصویر ہے۔ جس میں نواب شجاع الدولہ اس خاندان کے بزرگ
کو اپنے ہاتھ سے کوڑا مار رہے ہیں۔ کسی نے اس تصویر کو دیکھ کر راجہ سے کہا کہ ایسی
بی عزتی کی تصویر تم نے کیوں اپنے گھر میں لگا رکھی ہے۔ اس نے کہا کہ اس عزت
کے ثبوت میں کہ ہمارے دادا نواب رس تھے۔ بالکل ایسی ہی مثالی آپ کو یورپ
میں بیگی۔ لونی چھانڈم بادشاہ فرانس نے اپنے ایک درباری کے خود لائین مایین
تھیں۔ وہ اسپر تار عمر فرمایا کرتا تھا۔ اور اس نے اپنے دیوان خانہ میں ایک تصویر اسی
واقعہ کی آویزان کرانی تھی۔ یہی حال ہمارے سید اور مولوی شمس الدین صاحب
کا ہے۔ کہ اگر کہیں مسجد کی چھتری اسپر پڑ جاتی اور اس بوڑھے باپ کی محبت کی بار
کا وہ مزہ چکھ لیتے تو تمام عمر اسے یاد کرتے اور خوش ہوتے ۱۱

۱۱۹۰ء کو بمقام لاہور سرسید مرحوم کی یادگار قائم کرنے کے متعلق کی تھی ۱۲
بزرگان ملت جس شخص کی یادگار قائم کرنے کے لئے آج ہم جمع ہوئے ہیں وہ
منجھان مخصوص اور ممتاز لوگوں کے تھار جن کو خدا نے تعالیٰ کسی خاص کام کے لئے
پیدا کیا کرتا ہے۔ سرسید احمد خان کو خدا نے ہم مسلمانوں میں ایک خاص قسم کی قومی
ہمدردی اور قومی ریفارم اور اصلاح کی قابلیت دی تھی۔ وہ نہ عالم فاضل تھے نہ بڑے
یا ڈاکٹر نگار اس بات کا ثبوت تھے کہ جس شخص کو فطرت سے دماغ صحیح اور دماغ سلیم
اور کسی قسم کی خاص قوت عطا ہوئی ہو۔ دنیا کا اس کے طبع زاد خدا داد اور خود درخت کا
کس قدر فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

۱۲۵۰ء کے خدیو مرحوم نے جس قومی خیر خواہی کے ارگن کو کوکا دوم واسپیرین
اسکی آواز منقطع نہ ہوئی۔ اور ایک سے ایک بڑھ کر نغمہ و کنگش لٹس سے نکلتا چلا آیا
طوالت ہوگی اگر وہ کام جو اپنے ہم وطنوں اور ہم قوموں کی بہبودی کے لئے انہیں

حیدرآباد سے نیشنل پارک وطن بننے کا زمانہ

جب نواب حسن الملک بہادر حیدرآباد سے نیشنل پارک بنانا وہ میں تشریف لائے تو سرسید نے خط پر خط اور مار پر مار بھیجا انکو علیحدہ علیحدہ میں یاد کیا۔ اور اپنے صنعت کی بات بیان کر کے کلج کو کانفرنس کے اندر وئی حالات سمجھائے اور حسن الملک کو ابھارا کہ یہ وقت نیشنل پارک آرام کرنے کا نہیں بلکہ قدم کھیلنے کا ہے اور تکلیف دہ کام ہے۔ اور اب یہ سکتہ چار تھا ہے حوالے سے تم جانو اور تمہارا کام۔

سرسید کی یہ باتیں ایسی نہ تھیں جو حسن الملک کو قرار سے بیٹھنے دیتیں۔ چنانچہ وہ فی الفور تیار ہوئے۔ اور انہوں نے کانفرنس کو کلج کے دورے کے بہترین دورے سمجھ کر اسل ترقی میں جدید کوششیں جاری کیں۔ اور خود بھی بہترین دورے۔ مراہ آباد وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں جا کر مسلمانوں کو کانفرنس کی جانب توجہ دلائی اور ہر شہر میں کانفرنس کی ضرورتیں سمجھائے تو کبھی مقرر کی۔ اس تدبیر سے کانفرنس میں ایک نئی روح ترقی کرنے لگی۔ اور کلج کے استحکام میں ایک جدید تہذیب کا آغاز ہوا۔

سید احمد خان صاحب در کا انتقال

سید احمد خان بہادر ایل ایل ڈی۔ کے سی ایس آئی سکریٹری سرسید العلوم علیحدہ ۲۴ مارچ ۱۹۹۱ء کو احتساب بول سے صاحب فراش ہوئے ۲۶ کی شام سے حالت ردی ہونا شروع ہوئی، ۲۷ کو درد سر۔ لرزہ و تپ میں مبتلا ہوئے اور ۲۸ مارچ ۱۹۹۱ء کو رات کو دس بجے کے قریب آنریبل حاجی محمد اسماعیل خان صاحب کی کونٹھی میں وفات پائی۔ نواب حسن الملک بہادر موجود تھے۔ نہایت احترام سے انکا کفن و دفن کیا گیا۔ اون کے بعد ان کے مشہور اور فاضل فرزند آنریبل سید محمود صاحب مرحوم سابق جج ہائیکورٹ الہ آباد سکریٹری کلج قرار پائے۔ مگر سید محمود مرحوم کے خلیعہ نے انکو کسی کام کا نہ رکھا تھا۔ اس لئے وہ اپنے علم و فضل اور اپنی شہرت

عام شہرت کے موافق کوئی کام انجام نہ دے سکے۔ نواب حسن الملک اکثر امور میں دوسرے کاموں کی اصلاح کے ساتھ ان کے مزاج کی اصلاح کا بھی خیال رکھتے تھے۔

کلج کے متعلق نواب حسن الملک کے ابتدائی مساعی

نواب حسن الملک ابتدا میں رومی تعلیم کے سلسلہ میں ابتدا سے سرسید کے خیال سے تھے چنانچہ جب سرسید بنارس میں سب حج اور مولوی مہدی علی خان مرزا پور میں ڈپٹی کلکٹر تھے اور سرسید نے بنارس میں تمام قوم سے راجس طلب کی تھیں تو مولوی مہدی خان صاحب نے سترہ اعراس ایک مفصل اور مدلل رسالہ لکھا تھا جو ایک ہزار روپیہ کے انعام کے قابل سمجھا گیا۔ لیکن انہوں نے وہ انعام نہیں لیا اور وہ روپیہ صاف کیٹی ہو گیا۔ ترقی تعلیم مسلمانان ہندوستان کے لئے چھوڑ دیا۔ سرسید نے یہ سب حالت رو بہ رو کی تھی خزانہ العلوم لتا سین سنہ العلوم میں درج کئے ہیں۔ جو اس خیال کے متعلق سب سے پہلی کتاب ہے۔ اسکے بعد مولوی سید مہدی علی خان صاحب بہادر حیدر آباد کو تشریف لینگے وہاں سے واپس آئے قلعے قلعے ہر طرح کی مدد اس کام میں سرسید احمد خان بہادر کو دیتے رہے۔

نواب سرسار جنگ بہادر نے بارہ ہزار روپیہ سال نظام گورنمنٹ کی طرف سے سترہ العلوم علی گڑھ کے لئے مقرر فرمایا جس سے اسکی ابتدائی حالتوں میں بہت بڑی مدد ملی۔ پھر سرسار سمجھا بہادر کے عہد وزارت میں بارہ ہزار روپے کا اضافہ ہوا جملہ چوبیس ہزار روپیہ سال مقرر ہوئے۔ اور سرسید درمیان حیدر آباد تشریف لینگے دوسری مرتبہ کے جانے میں علاوہ گورنمنٹ کے سترہ اسی ہزار روپیہ پرائیویٹ چندوں سے حاصل ہوا۔ ان سب اعانتوں میں نواب حسن الملک بہادر کی تبریعات اور کوششوں کو خاص دخل ہے جس کے لئے نواب حسن الملک کا شکریہ بھر السعد چھوٹے چھوٹے سوتوں کے علاوہ بارہا کانفرنس کے بھرے حلقوں میں ادا کیا گیا ہے۔ اور قوم کی تعلیم اور کلج کی تعمیر میں نواب حسن الملک بہادر سرسید کے

دوش بدوش نظر آتے ہیں۔ کالج میں مہدی منزل ابتدائی تعمیر کی یادگار ہے۔ وہاں صاحب نے ہزاروں کی رتیں مختلف چندوں میں دی ہیں۔ اگر ابتدائے سرسید کے زمانہ حیات تک کالج کی تاریخ اور کالج کے دفتر اور تہذیب لاطینی اور بیٹھوٹ گزٹ کے سالانہ فائلوں کو دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہر کام میں نواب محسن الملک بہادر نے کسی قابل قدر مدد دی ہے۔ آخر میں جب سرسید فرط ضعف سے بہت تھوڑا کام کرتے تھے۔ اور کالج مشہور عثمان اور دوسرے غیر معمولی مصروف سے ستر۔ اسی ہزار روپے کے بیج میں آگیا تھا۔ نواب محسن الملک بہادر نے یہ کام کیا کہ جب حیدر آباد سے علاحدہ ہوئے تو علیگڑھ میں اقامت فرمائی۔ اور چوکام رک رہے تھے۔ اونکو چلتا کیا۔ اور کالج کی زیر باری کو دور کر کے کمی تیز کر دی۔ شریعہ کیس کی شہروں میں اپنی ذات کے تشریف لے گئے اور کانفرنس میں ایک نئی جان ڈالنے کے لئے جا بجا جلسے کئے جس سے ٹرینیشن کے دلوں میں جو سرسید کے ضعف اور کالج کی زیر باری سے مایوس ہو رہے تھے نئی طاقت پیدا ہوئی۔

علیگڑھ کالج کی سکرٹری شپ

چونکہ سکرٹری شپ کے لئے نواب محسن الملک کے انتخاب کو چند پھیل و فضا کے تعلق سے اس لئے سرسری طور پر ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ سرسید علیہ الرحمۃ کی جن لوگوں نے علیگڑھ کالج قائم کرنے میں فراخ حوصلگی سے امداد کی تھی۔ اس میں سرسید کے قریبی رشتہ دار اور عزیز دوست مولوی سمیع اللہ خان بہادر سی ایم جی کا بہت بڑا حصہ تھا۔ اور سرسید انکو اپنا قوت بازو سمجھتے تھے۔ اور ان سے کالج اور روبرو ٹنگ کے انتظام اور نگرانی میں بے انتہا تقویت پہنچتی تھی۔ مگر بد قسمتی سے ایسے اسباب جمع ہو گئے تھے کہ کالج کے یورپین اسٹاف کے نمبر مولوی صاحب مہجور کی طرف سے کھٹک گئے تھے اور ان کو یقین تھا۔ کہ اگر سرسید نے اپنی زندگی میں آئندہ کے لئے سکرٹری شپ کا انتظام نہ کیا تو ان کے بعد ضرور مولوی سمیع اللہ خان سکرٹری ہو گئے۔ پس انہوں نے

اور نیز بعض اور پرین انسروں نے سرسید کو صلح دی کہ سید محمود کو جائینٹ سکریٹری مقرر کریں۔ تاکہ پرین اسٹائن کا سرسید کے آئندہ جانفشانی کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہو جائے۔ اگرچہ سرسید کو یقین تھا کہ سید محمود کے جائینٹ سکریٹری مقرر کرنے سے لوگوں کے دل میں طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا ہوں گی۔ اور ایسی بدگمانیاں وہ سو سو کوں بھگتتے تھے۔ اور سید محمود بھی جائینٹ سکریٹری یا سکریٹری بننے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر چونکہ پرین اسٹائن کو اس بات پر سخت اصرار تھا اور ان کو کلج کی آئندہ حالت کی نسبت مطمئن کرنا ضروری تھا۔ اسی وجہ سے سرسید کو ۱۸۸۹ء کے ٹرنسٹی بل میں ایک خاص دفعہ سید محمود کے جائینٹ سکریٹری مقرر کرنے کے لئے داخل کرنی اور سید محمود کو یہ جبر اس پر راضی کرنا پڑا۔ اس وقت مولوی سمیع اللہ خان بہادر اور ان کی پارٹی سخت برہم ہوئی اور کلج سے قطع تعلق کر لیا۔ مگر سید محمود دخل دماغ کی وجہ سے سرسید کی زندگی ہی میں قوم کے جسم بیمار کے لئے عضو معطل ہو چکے تھے۔ اور پیشیت جائینٹ سکریٹری اپنے کارناموں کو بالکل انجام نہ دے سکتے تھے۔ [اسی لئے ٹریسٹوں کو اسٹینٹ جائینٹ سکریٹری کا ایک نیا چھترہ قائم کرنے کی ضرورت پڑی اور نواب محمد نزل اللہ خان ٹرینسٹین کے پورا خان بہادر آئری جھٹریٹ درج اول و فیالہ آبادیوینڈریٹ) اسٹینٹ جائینٹ سکریٹری منتخب ہوئے۔ جو توقع کے عین مطابق اپنے فرائض کو نہایت قابلیت سے ادا کر رہے ہیں اور اب بجائے اسٹینٹ جائینٹ کے جائینٹ سکریٹری ہیں۔

جب سرسید کا انتقال ہوا تو ٹریسٹوں کی نگاہیں نواب محسن الملک کی طرف اٹھیں۔ لیکن وقت یہ تھی کہ سید محمود اب لائف (دوامی) سکریٹری تھے۔ ان کا ہٹانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ دوسری طرف مولوی سمیع اللہ خان بہادر کی پارٹی نے جس کے سیمپل سرگرم اور لائق ممبر خواجہ محمد ایوب کے مرحوم وکیل علی گڑھ تھے۔ مولوی صاحب موصوف کے حقوق و دعاوی پیش کیے تھے۔ شریعت کے اور ہزار لکھش کوہ زمناک، مغربی و شمالی (حال صوبہ تجارت متحدہ آگرہ و ادوہ) کی کوشش سے

آنریبل سید محمود مرحوم اور مولوی سیح الد خان بہادر سی ایم جی کے درمیان صفائی بھی ہو گئی تھی۔ مگر باوجود ان تمام دشواریوں کے ۳۱ جنوری ۱۹۹۹ء کے سالانہ اجلاس ٹرسٹیان میں ٹرسٹی نواب محسن الملک کو سرکاری منتخب کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اور سید محمود مرحوم کو پریسڈنٹ بنایا گیا۔ اب سید محمود مرحوم کے قانونی دلیغ نے ایک مجموعہ ضوابط تیار کر کے یہ کوشش کی کہ تمام اختیارات پریسڈنٹ کی ذات میں جمع ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے کسی قانون کا پاس ہونا کلج کی آئندہ ترقی کیلئے رکاوٹ پیدا کرنا۔ لیکن نواب محسن الملک کی تدبیر سامنے سید محمود مرحوم کو اپنے قابو کے باہر نہ ہونے دیا جس نے سید محمود مرحوم زیادہ اصرار اس کے پاس ہونے پر کر سکتے۔

عام جوش سے فائدہ اٹھانا

جس وقت سرسید کا انتقال ہوا ہے تو وہ زمانہ کلج کے لئے نہایت نازک تھا۔ ایک طرف تو مجھ لوگ کلج کے آئندہ جاری رہنے کی جانب سے یا دوس ہو چلے تھے۔ دوسری طرف شام بہاری لال کے ایک لاکھ چھ ہزار کے غبن نے کلج کی مالی حالت کو منتشر کر دیا تھا۔ کلج بنیاد سے لیکر چوٹی تک قرضہ میں غرق تھا۔ لیکن ان تمام دشواریوں میں جو بات اس کے خیر خواہوں کی ڈھارس بندھانے والی تھی۔ وہ یہ تھی کہ سرسید کی وفات نے ہندوستان کے ایک بہتر سے دوسرے تک مسلمانوں کو جوڑ رکھا دیا تھا۔ اردو ان کی زندگی کے کام کو نہ صرف قائم رکھنے بلکہ آگے بڑھانے پر تل گئے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر نواب محسن الملک نے زیادہ وقت مرثیہ خوانی اور نوجوانوں میں صرف نہ کیا بلکہ پہلے تو انہوں نے سرسید کی یادگار میں علیگڑھ کلج کو ریونیورسٹی بنانے کے لئے اپیل شائع کی سید سمیریل فنڈ قائم کیا اور پھر مختلف مقامات کا دورہ کر کے مسلمانوں کے دلوں کو گرمایا اور چند ہی روز میں اتنا روپیہ جمع کر دیا کہ کلج نہ صرف قرضہ کے بار سے سبکدوش ہو گیا بلکہ اس کا سرا یہ بھی جمع ہو۔ لئے لگا۔ اس عام جوش کی اہمیت کو سمجھنے اور اس کے

خاندانہ اٹھانے کے لئے نواب محسن الملک ہر ایک تعریف کے مستحق ہیں۔ لیکن یہ بات ہے کہ اگر اس تحریک کی جو سرسید کی وفات سے پیدا ہوئی تھی۔ ایک مناسب راستہ کی جانب ہسری نہ کی جاتی تو وہ چند ہی روز میں سرد پڑ جاتی جو لوگ نواب محسن الملک کی کامیابیوں کا سبب تھے اس تحریک کو تباہتے ہیں۔ اور نواب محسن الملک کی کوششوں کو خفیہ کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اسکی مثال عینہ ایسی ہی ہے کہ قبل اسکے کہ بھاپ کی طاقت سے کام لیا جائے پانی اسی طرح ابلتا اور ابل کر بھاپ دیتا تھا اور بھاپ میں قوت بھی اتنی ہی تھی جتنی اب ہے مگر آگک رائیٹ سے پہلے اسکو استعمال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اس موقع پر یہ ظاہر نہ کرنا نہایت ناشکر ہی ہوگی کہ اس رائے وقت پر گورنمنٹ نے مسلمانوں کی بڑی دستگیری کی۔ سرسید میویریل فنڈ کا پہلا اجلاس علیگڈہ میں ہزار نقد ٹکٹ گورنر صاحبات متحدہ کی صدارت میں ہوا۔ اور ہزار سیلینی والیس رائے کی سرپرستی اور نقد عطیہ لے گیا اس میں جان ڈالی۔ اور سٹریکٹ ان جہانی پرنسپل کالج اور ان کے جانشین آئزبل مشرقیہ ڈورایسن کی کوششیں بھی مسلمانوں کی جانب سے کچھ کم عکس گذاری کی مستحق نہیں ہیں۔

صفتیں

سرسید علیہ الرحمۃ جس طرح تمام کاموں کو اعلیٰ پیمانہ ہی سے شروع کیا کرتے تھے اسی طرح انہوں نے ابتدا ہی سے کالج کی عظیم الشان عمارتوں کی داغ بیل بھی ایک وسیع رقبہ اراضی پر ڈالی تھی۔ اور بہت سی شاندار عمارتیں جو اس وقت کالج میں خدا کے فضل سے نظر آتی ہیں اور جن کی قسمت میں اپنے رفیع المنزلت بانی کا مقبرہ بن چکنے کے بعد مکمل ہونا لکھا تھا۔ ان کی بنیادیں سرسید نے کھدو اگر بھر وادی حقین۔ کالج کی کٹی کے سرگرم ممبر جو کالج کے کاروبار سے زیادہ دل لگی رکھتے تھے۔ ان میں بہت ہی کم ایسے تھے۔ جو ابتدا ہی سے کالج کی عمارتوں

میں زیادہ روپیہ صرفہ ہونے کے رونا روار ہوں۔ کیونکہ شروع میں تعمیر ہی کے اثرا کے لئے کافی روپیہ ہم پہنچانا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ چہ جائیکہ لاکھوں روپے کی عمارتیں تیار کرالی جائیں۔ مگر سرسید نے کلج کی ترقی بلکہ اسکا قیام و دوام اسی پر منحصر کیا تھا۔ کہ جہاں تک ممکن ہو اعلیٰ پیمانہ پر عمارتیں بنالی جائیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اصلی نتائج اعلیٰ الاعلان ظاہر ہونے کے لئے جس سے عام لوگوں کو اسکی طرف توجہ ہو ایک مدت دراز درکار ہے۔ اور تعلیم و تربیت کی خرابی سمجھنے والے لاکھوں کروڑوں میں معدودے چند آدمی ہوا کرتے ہیں۔ البتہ عمارات کی شان و شوکت ایک ایسی چیز ہے۔ جسکا اثر فوراً خاص و عام کے دل پر پڑتا ہے۔ سرسید کو کلج کی زیادہ شاندار عمارتیں بنانے کا خیال اس نظر سے بھی ضرور ہونا چاہیے تھا کہ آئندہ نسلوں کو اپنی قومی انسٹیٹوشن کا عظیم و شاندار کھیل اس کے قدم رکھنے کا خیال زیادہ ہو۔ لیکن روپیہ اتنا فراہم نہ ہوتا تھا کہ ایک دم تمام عمارات کا سلسلہ پورا ہو جاتا۔ اور اس وجہ سے باوجود سرسید کی طرح کی عجب و غریب حکمت علیوں کے سلسلہ عمارات پورا نہ ہوا۔ جن میں سے بعض غیر مکمل علیحدہ بہت بدنام بھی معلوم ہوتی تھیں۔ نواب محسن الملک نے کلج کو قرضہ کے بارے سے سبکدوش کرتے ہی تمام عمارتیں مکمل کرنی شروع کر دیں۔ جواب (چشم بد دور) کلج والے کے سامنے ایک دلکش شاندار نظارہ اور عالی شان منظر شامانہ پیش کرتی ہیں۔ مناسبت معلوم ہوتا ہے کہ ہم جد اجد اضمنی عنوانوں کے تحت میں چند عمارتوں کا قصور اقتصار ذکر کریں۔

مسجد۔ جو دہلی کی مسجد شاہ جہانی کی طرز کی بنائی گئی ہے۔ اس کا چندہ میں نواب محسن الملک کے عہد میں بھی اتنی تکمیل نہ مل سکی کہ مکمل ہو جاتی۔ دونوں طرف کے فیوار اور گنبد بن چکے ہیں۔ مگر باقی فرش اور دیگر لوازم ضروریہ کی تکمیل ہنوز دور معلوم ہوتی ہے۔ حیف! حیف! مسلمانانِ دگر و دسمانی و کتاب۔

اسٹریچی ہال کی ملحقہ عمارتیں :- میں ایک طرف کالج کلاسوں اور

طوبہ مسجد تک بیچ عمارتیں ہیں۔ یہ سب کے زمانہ کی صرف ایک مہدی منزل تھی۔ اب
لٹن لائبریری۔ بیت منرل۔ حمید منرل۔ برکت علی خان لکچر روم۔ آسمان
منزل۔ نظام میڈیم جیسی عالیشان در ضلع البیان نمایاں نظر آتی ہیں۔

صدر دروازہ کے مغربی جانب پہلے صرف ایک کمرہ بنا
پہلی بارگ :- ہوا تھا۔ باقی حصہ میں کچی بارگ تک کوئی کمرہ نہ تھا۔ اب

یہ سلسلہ بالکل پورا ہو گیا ہے۔ اور تجویز ہے کہ ایک خاص تعداد بچہ کڑوں
کی ہر سال بنائی جائے۔ یہاں تک کہ کل کچی بارگ پہلی بارگ میں منتقل ہو جائے۔
یہ خوب صورت بورڈنگ ٹاؤن

میکڈ ائل بورڈنگ ٹاؤن :- کالج کے رائڈنگ اسکول کے
تقریب سرانٹینی میکڈ ائل سابق لفٹنٹ گورنر کے ۲۰ ہزار روپے کے عطیہ سے
تعمیر ہوا ہے۔ اس کی عمارت اس دور ہے۔ جانب جنوب کوئی عمارت نہیں
صرف آہنی کھٹیر لگا ہوا ہے۔

یہ بورڈنگ ٹاؤن انریبل نواب سرفراز

فیاض بورڈنگ ٹاؤن :- علیخان بہادر کے سی آئی اے میں

پہا سونیل بکند شہر وزیر اعظم ریاست جے پور پریسڈنٹ بورڈ آف ٹرینٹر
علیگڈ کالج کی فیاضی کا نتیجہ ہے۔ یہ بورڈنگ ٹاؤن سیرجیس ڈگلس لاٹوش

سابق لفٹنٹ گورنر صنوجا ستہ متحدہ کی یادگار میں تعمیر ہوا تھا اور اس لحاظ کہ
اسکا نام سنگ بنیاد رکھیے جہاں سے پہلے لاٹوش بورڈنگ ٹاؤن رہا۔ لیکن

سیرجیس نے سنگ بنیاد رکھی تو یہ جہاں سے لاٹوش بورڈنگ ٹاؤن کے اس کا
نام فیاض بورڈنگ ٹاؤن تجویز کیا۔ اس کی لگاتار کھٹیر کا نتیجہ ابتدا ۱۰ ہزار

ہوا تھا۔ مگر انتہائی کم قیمت پر لگا ہوا تھا۔ اس کے نتیجے میں اس کا

بھی فیاض نواب صاحب کے اپنی جیب ہی سے پوری کی۔ یہ بورڈنگ ہاؤس کچی باگ کے قریب اس کی شمالی پشت پر ہے۔ اور عام وضع میں شل سیکڈائل بورڈنگ ہاؤس کہ ہے۔

کرزن ہاسپٹل :- یہ ہسپتال نیر اسیلینی لارڈ کرزن سابق وائسرائے و گورنر جنرل ہند کی تشریف آوری کلج کی یادگار میں کلج کے صدر دروازہ کے سامنے والے قطعہ اراضی پر تقریباً بیس ہزار روپے کی لاگت سے تیار ہوا ہے جس کے لئے ایک ہزار روپیہ خود نیر اسیلینی لارڈ کرزن نے عنایت کیا تھا۔

اس کے علاوہ اور بھی متعدد چھوٹی موٹی ضروری عمارتیں نواب حسن الملک کے عہد میں کلج کے اندر تعمیر ہوئی ہیں جن پر روپیہ تو اگرچہ ہزاروں صرف ہوا ہے لیکن ان کا ذکر ایسا ضروری نہیں کہ اسے کوئی مستقل جگہ اس کتاب میں دیکھا جائے۔

انگلش وارڈ

انگلش وارڈ کی تجویز سرسید کے زمانہ ہی میں آنر بیل حاجی محمد اسماعیل خان صاحب رئیس تاولی نے کی تھی۔ حاجی صاحب اپنے فرزند محمد زبیر خان مرحوم کی تعلیم و تربیت انگریزی وضع پر کرنی چاہتے تھے۔ لہذا انہوں نے سرسید کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ایک ایسا بورڈنگ ہاؤس قائم ہو جس میں تمام خرابشند والدین کے بچے ایک انگریز ماسٹر کی نگرانی میں بالکل انگریزی ٹینک پر رہیں سہیں اور تعلیم و تربیت حاصل کریں۔ مگر بقضائے الہی محمد زبیر خان مرحوم نے باقاعدہ تعلیم شروع ہونے سے پیشتر ہی عالم طفولیت ہی میں انتقال کیا اور انگلش وارڈ کی تجویز سٹھر کر رہ گئی۔ سرسید مغفور نے اپنے آخری زمانہ میں اس تجویز کو زندہ کرنا چاہا۔ اور انسٹیٹیوٹ گزٹ میں ایک مفصل اسکیم اس کے متعلق شائع کی اور انگلش وارڈ سرسید کے زمانہ میں قائم ہو گئی تھی۔ مگر صرف معدود

طالب علم اس میں آئے تھے۔ اور فیس کی آمدنی سے بمشکل اسکا خرچ چلتا تھا۔ ابتدا میں انگلش وارڈ یہی پرشاد والی کوٹھی میں تھی۔ جو آج اسے ادکا بجیٹ سکول کی عمارت کے قریب ہی ہے۔ اور کالج اور کوٹھی کی حدود کے درمیان صرف ٹرک آجیل ہے۔ لیکن جب سید محمود مرحوم کے انتقال کے بعد ان کی اہلیہ صاحبہ بی بی چلی گئیں۔ اور سرسید والی کوٹھی خالی ہو گئی تو اُسے کالج حاصل کر لیا اور انگلش وارڈ یہی پرشاد کی کوٹھی سے اس کوٹھی میں منتقل ہو گئی۔ اور یہی پرشاد والی کوٹھی معمولی بورڈنگ ہاؤس کے طور پر استعمال ہونے لگی۔ انگلش وارڈ میں اعلیٰ درجہ کے رئیسوں اور اساتذہ کے چالیس بچے کے تعلیم پاتے ہیں۔ ان کی تعلیم اور تربیت بالکل انگلش مذاق کے موافق ہوتی ہے۔ گریڈ ۱۲ کے انگلش کے کیمبرج اور اسکورڈ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان کے کھیل کود کا سامان علیحدہ ہے۔ ان کا کھانا پینا ٹھیک انگلش اصول کے موافق ہے۔ ان کے کمروں کی صفائی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ ان کی تربیت پہلے مٹر کارڈز برٹون پروفیسر کالج کے سپروٹھی۔ لڑکوں کے ساتھ وہ بھی انگلش وارڈ میں رہتے تھے۔ مگر اب اسکی سسرانڈھی پر ایک انگلش لیڈی مقرر ہوئی۔ ان بچوں کا علاج معالجہ بالکل ڈاکٹری قواعد سے کیا جاتا ہے۔ غرض کہ انگلش وارڈ کی تعلیم نہایت صحیح انگلش تعلیم کا مکمل نمونہ ہے۔ اور علیحدہ میں ٹھیکہ انگلستان کا فائدہ پہنچا رہی ہے۔ وارڈ میں تعلیم پانچویں کی فیس پچاس روپیہ ماہوار علاوہ ایک معتد بہ رقم فیس داخلہ کے لیے جاتی ہے۔ جو لڑکوں کے پیرست نہایت خوشی سے ادا کرتے ہیں۔

اردو ناگری کا جھگڑا

سکرٹری ہونے سے چند ہی روز بعد سن ۱۹۱۸ء میں نواب حسن الملک کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے انہیں گورنمنٹ کی ناراضی کے خوف سے کلج کی

سکرٹری شپ کے استفادہ دنیا پڑا۔ اس جھگڑے کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں بنارس کے بعض سربراہان ہندوؤں کو یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو ان سرکاری دفاتر اور دو زبان اور فارسی خط کے موقوف کرانے کی کوشش کی جائے اور بجائے اس کے پھانسی زبان اور دیوناگری حروف ہوں۔ ہندوؤں کی ایک قومی مجلس میں اس بات کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ جا بجا اس کیلئے کمیٹیاں اور سبہائیں مختلف ناموں سے قائم ہونے لگیں۔ اور صدر کمیٹی الہ آباد میں قائم ہوئی۔ انہی دنوں میں ہزارن لفٹنگ گورنر بنگال نے ایک غلط فہمی کی بنا پر اردو کو ملکی زبان تسلیم نہ کر کے مسلمانوں اور بعض غیر متعصب ہندو اصحاب کے اصرار کے باوجود بہار میں بہاری زبان اور کیتی حروف بجائے اردو زبان اور فارسی حروف کے جاری کر دیئے۔ اس اضلاع شمال مغربی دھال صوبہ متحدہ کے ہندوؤں کا جو صلا اور زیادہ بڑھا۔ صدر کمیٹی الہ آباد کے سکرٹری اور سرسید کے درمیان کچھ عرصہ خط و کتابت جاری رہی۔ آخر سرسید نے علانیہ اس تحریک کی مخالفت شروع کی۔ اور ہندوؤں کی تجویز اس بنا پر نامنظور ہو گئی کہ فارسی خط اور اردو زبان کی اشاعت بہ نسبت ناگری اور بھاشا کے بہت زیادہ تھی لیکنز ہندو دیا لوس نہ ہوئے اور انہوں نے ۱۹۴۷ء میں سیکرٹری اسپرٹل ایجوکیشن کے ممبر تھے۔ ایجوکیشن کمیشن میں پھر اردو کی مخالفت شروع کی۔ اس سلسلے کا اثر پنجاب میں بھی پہنچ گیا۔ اور دونوں صوبوں میں بے شمار سبہائیں قائم ہوئیں اور ان کی جانب سے لاتعداد محضر کمیشن میں بھیجے گئے۔ پنجاب میں مسلمانوں کی جانب سے حمایت اردو کی آئین قائم ہوئی۔ اور اسکی طرف سے بھی ایجوکیشن مین میوٹل پیش ہوا۔ مگر اس کے متعلق کمیشن نے اپنی کسی رائے کا اظہار نہ کیا۔ اس کے بعد مارچ ۱۹۴۸ء میں ہزارن لفٹنگ میسڈ ایل لفٹنگ گورنر ممالک مغربی شمالی اردو کی خدمت میں دونوں صوبوں کے بڑے بڑے معزز اور سربراہان ہندو نے پھر ایک میموریل اسی غرض سے گزارا۔ سرسید نے بھی اس کی مخالفت میں ایک

مضمون لکھا جو ان کی وفات سے صرف ۵ دن پیشتر یعنی ۱۹ مارچ کے انسٹیٹوٹ میں شائع ہوا۔ جب بہار میں بجائے اردو حروف کے گھیتھی زبان کے حروف لایج ہوئے تو اس وقت میکڈانل صاحب وہاں کلکٹر و مجسٹریٹ اور اس تبدیل کے نہایت سکون معاون تھے۔ ۱۹۹۸ء میں تو سرانیشی نے زبان میں کسی بھی تبدیلی پر نہیں سمجھی لیکن ہندوؤں کی مسلسل انتھاک کو کششوں سے عدالتوں میں اردو کے ساتھ ناگری حروف کے استعمال کا رزلویشن پیش گا لفظی سے پاس ہو گیا۔ اور اس کے خلاف ہندوستان بھر کے مسلمانوں اور متعدد منصف مزاج ہندو اصحاب کی متفقہ آواز کا سرانیشی اور لارڈ کرزن پر مطلق اثر نہ پڑا۔ لکھنؤ میں اردو کی حمایت میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا تھا۔ اور نواب محسن الملک نے اس جلسہ میں ایک مہی زبردست تقریر کی تھی۔ کہ اس کے اثر کے متعلق خود ہنز سرانیشی میکڈانل نے یہ رہنمائی کیا تھا۔ کہ اس جلسہ میں ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا۔ جو مہدی علی کے رومال کی حرکت پر اپنا کلا کٹھانے دینے کے لئے تیار نہ ہو گا۔ گورنمنٹ اردو ناگری کے اس جھگڑے کو ایک پولیشکل مسئلہ قرار دیکر اس میں علیگڑہ کلج کے سکریٹری اور پرنسپل کی مداخلت بجا تصور کی۔ آئریبل سٹریٹس ڈورائین نے بھی ناگری کی مخالفت میں حصہ لیا تھا۔ (نواب محسن الملک کو خوف ہوا کہ مبادا میری نسبت گورنمنٹ کی ناراضی سے علیگڑہ کلج کو نقصان پہنچے اور اس خیال سے انہوں نے کلج کی سکریٹری شپ سے استعفا پیش کر دیا۔ کچھ روز تک خان بہادر نواب محمد قمر اللہ خاں صاحب جوائنٹ سکریٹری کام کرتے رہے۔ مگر ہنز آرزو خاص طور پر کلج میں شائع لائے اور نواب محسن الملک کو مطمئن اور آئندہ کے لئے کچھ ہدایتیں کر کے استعفا ان سے واپس دلا گئے۔

نواب محسن الملک اور کانفرنس

آئریبل سرسید احمد خان بہادر نواب مرقدہ نے درجہ العلوم علیگڑہ کے باقاعدہ

چل نکلنے کے بعد ۱۸۸۶ء میں مسلمانوں کے عام طبائع کو ایک مرکز پر جمع ہونے اور دوسری قوموں کے مقابل میں اپنا فائدہ سوچنے اور اپنی قوم کی تعلیم و تربیت کے قابل قدر اصول مقرر کرنے کو محمد بن اینگلو اور نیشنل ایجوکیشنل کانفرنس مقرر کی۔ اس کانفرنس کا پہلا اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا جس میں نیشنل کانگریس کے خلاف سرسید کا پولیٹیکل لکچر پڑھا گیا۔ یہ بے مثل لکچر دیکھنے اور پڑھنے کے لائق ہے۔ اس لکچر نے مسلمانوں کی تہذیب و طریت میں خاص اثر پیدا کیا ہے۔ زمان بعد قریب قریب کے دوسرے شہروں میں کانفرنس کے سالانہ اجلاس ہوئے ترسہ۔ انیس الہ آباد کا جلسہ زیادہ بارونق اور شاندار تھا۔ نواب حسن الملک کا لکچر ترقی اور منزل السلام پر بڑی دلچسپی سے سنا گیا۔ مولانا حالی حیات جاوید میں لکھتے ہیں کہ الہ آباد کے جلسہ کانفرنس میں جس ذوق و شوق اور وجد کی حالت میں انہوں نے اپنا لکچر دیتے وقت تمام حاضرین کے سامنے سرسید سے خطاب کیا تھا۔ وہ اکثر لوگوں کو یاد ہو گا۔ خصوصاً اس وقت کا سماں کہہی دل سے فراموش نہ ہو گا۔ جب کہ انہوں نے سرسید سے مخاطب ہو کر یہ اشعار پڑھے تھے۔

دلبران ناہ پیکر دیدہ ام در جہالت چہینہ دیگر دیدہ ام
این چه ناز است آئینہ تابان از تو بہت ہفت کوب نوا نشان از تو بہت
تو کمل از کمال کیتی مظہر ناز جہاں کیتی

۱۸۹۳ء کے اجلاس کانفرنس منعقدہ علیگڑھ اور ۱۸۹۵ء کے اجلاس شاہ جہانپور کے وہ پریسیڈنٹ بھی تھے۔ سرسید کے وقت میں کانفرنس کا اثر قریب قریب کو شہروں میں تھا۔ نواب حسن الملک نے اپنی ذاتی وجاہت اور لاثانی روشناسی سے اسکے اثر کو پنجاب، بنگال، رنگون، بمبئی، مدراس وغیرہ دور دور کے مقامات پر نمایاں کیا۔ اور جن شہروں کو سرسید کے خیالات سے ایک قسم کی بیگانگی تھی وہاں اپنے حسن اخلاق اور دماغ کے با اثر لوگوں کے اتفاق سے کانفرنس کے اجلاسوں کی راہ نکالی اور تمام حصہ ملک کے روشن خیال اور با اثر لوگ اس میں شریک ہوئے اور

اور سکواپنی قومی مجلس خیال کیا نہ مبنی اور رنگون کے آسودہ حال لوگ جو اپنے شریف اور غریب بھائیوں کی ہمدردی سے بے نیاز ہو رہے تھے انکو کلج اور کانفرنس کی جانب متوجہ کیا اور انکی ہمدردی اور شرکت سے کلج کو غیر متوقع فائدہ پہنچایا۔ ڈیلیگیٹوں اور ممبروں اور وزیٹروں کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہونے لگا۔ چنانچہ لاہور، کلکتہ، مدراس، بمبئی، رانیپور، کھٹنہ، دلی، علیگڑھ میں ایک سے ایک جڑ بکر اجلاس ہوا۔ سر تیک کے وقت میں ممبروں وغیرہ کی معمولی تعداد دو دھائی سو ہو کر تی حقی اسکی جگہ ہزار بارہ سو ڈیلیگیٹ اور ممبر اور وزیٹر شریک کانفرنس ہوئے مگر جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر حصہ ملک میں اپنی قومی ضرورتوں پر توجہ کرنے کی خواہشیں بڑھتی جاتی ہیں۔ اور اگر نواب محسن الملک کی طرح دوسرے قومی لیڈر بھی کانفرنس کی آواز اطراف ملک میں پہنچائیں۔ تو شریف خاندانوں کے مربی اور پرست پوری ہمدردی اور توجہ سے اس میں شریک ہونے کو تیار ہیں۔

۱۹۰۵ء کی کانفرنس علیگڑھ سے نواب محسن الملک پارانہ یہ انتظام کر دیا کہ کانفرنس کے روز لیوشنوں کی نگرانی اور عملی کاموں کی جانچ اور کانفرنس کے متعلق دوسرے شعبوں کی دیکھ بھال صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب بیرسٹریٹ لاکر میں اور جتیا آری صاحب قادری بیرسٹر کو ان کے متفرق کام سپرد کر دیئے۔ صاحبان موصوف ہتھ قابل قدر طریق سے تیسریج عملی تدبیرات سے کام لے رہے ہیں۔

کانفرنس کے شعبے

سریا کی حیات ہی میں نواب محسن الملک کو مدت سے اس امر کی شکایت تھی کہ بجائے پچھپی اور شوق کے روز بروز کانفرنس کی طرف سے بددلی اور بے رحمی پیدا ہوتی جاتی ہے۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ کانفرنس کے اغراض و مقاصد کی خاطر خواہ افسانہ نہیں ہوتی اور نہ کانفرنس میں کوئی عملی کارروائی ہوتی ہے۔ ۱۹۰۶ء میں نواب محسن الملک نے اسکی جانب خاص توجہ کی خود بخوبی پونا دہلی میٹرٹھ مظفرنگر سہارنپور رام پور

طوفا باد برتی کا دورہ کیا۔ اور کانفرنس کی گذشتہ اجلاسوں کے زیر لیوشن سربراہ سے کہہ کر کچھ چھپرہ کر شائع کئے۔ یہ تدبیر نہایت کارگر ثابت ہوئی۔ اور کانفرنس میں ان کے لئے جہان پر گئی۔ کانفرنس کے متعلق نواب حسن الملک مرحوم کی یہ سرگرمی دیکھ کر مسلمانوں میں اور ہر شخص کو ایک کارٹون شائع کیا تھا۔ جس میں کانفرنس کو ایک مردہ جسم دکھایا تھا۔ اور نواب حسن الملک اپنے کو ہتھکڑوں کی برقی قوت سے گویا اس میں جان ڈال رہے تھے۔ علی کارروائی کرنے کی انہوں نے یہ تدبیر کی کہ کانفرنس کے ایک سٹیل اسٹینڈنگ کمیٹی علی گڑھ میں قائم کی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اغراض کانفرنس کی تعمیل اور پاس شدہ رزلویشنوں کی تعمیل کرتی رہے۔ اس کے سکریٹری اور ممبر قریب حاجی محمد اسماعیل خان۔ پریسیڈنٹ سر سیدو اللہ پریسیڈنٹ صاحب زادہ آفتاب علی خان صاحب۔ اور جنٹ سکریٹری اور ممبر نواب حسن الملک تھے۔ اور پھر اس سٹیل اسٹینڈنگ کمیٹی کے چار حسب ذیل سیکشن دہیے گئے:-

۱) سیکشن متعلق تعلیمی مردم شماری مسلمانان۔ اس کے ممبران ذیل حاجی محمد علی صاحب اور شیخ عبدالعزیز بی اے ایس ایس بی اور ممبر ولایت حسین صاحب بی اے سکریٹری ماسٹر اور سرٹیفیکٹڈ ریکارڈنگ کالج ممبر اور سکریٹری تھے۔ اس سیکشن کی غرض یہ تھی۔ کہ دریافت کیا جائے کہ ہندوستان کے کس شہر یا قصبہ یا گاؤں میں کتنے بچے قابل تعلیم ہیں۔ اور ان کی تعلیم کا کیا بندوبست ہے اور کوئی بندوبست نہ ہونے کی صورت میں اس کی کیا وجہ ہے۔ تاکہ ان وجوہ پر غور کر کے ان کی تعلیم کی راہ نکالی جا سکے لیکن اس شعبہ کا کام نہیں چلا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بغیر کافی عمل کے چل بھی نہیں سکتا۔ ۱۹۰۷ء اور ۱۹۰۸ء کی کانفرنس میں اسے پھر زندہ کر دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ مگر یہ محض جہاں تھی وہیں رہی۔ اب نہ یہ کوئی مستقل فیصلہ ہے نہ اس کا کوئی سکریٹری یا ممبر۔

۲) سیکشن متعلق تعلیم کرنے کا تحت مدارس کے۔ اس سیکشن کے ممبران ماسٹر ضیاء الدین احمد ایم اے بی اے ایچ ڈی مولوی بیاد علی ایم اے مرحوم اور میر ولایت حسین

صاحب بی اے اور سکریٹری سٹر قیو ڈروالین پروفیسر کلج تھے۔ اس صیغہ کی ترقی سے اردو بہ اسکول۔ جلالی اسکول۔ بارہہ اسکول۔ نردانی اسکول اور اودھ ملی اسکول قائم ہوئے جن میں سے سوائے جلالی اسکول کے سبکیا بی اے کے ساتھ چل رہے ہیں۔ اس صیغہ کے سکریٹری اب ڈاکٹر ضیا الدین احمد صاحب ہیں۔

(۳) سیکشن عام معاملات۔ اسکے ممبران سکریٹری وغیرہ وہی اصحاب تھے جو سنٹرل ایسٹنگ کمیٹی کے تھے۔ دہلی کانفرنس یعنی ۱۹۰۶ء میں اسکے سکریٹری نواب حسن علی ہوئے۔ یہ صیغہ غائب قائم نہیں ہے۔

(۴) سیکشن تعلیم نسوان۔ اسکے ممبران نواب حسن الملک بہادر۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب۔ صاحبزادہ سلطان احمد خاں صاحب بیرسٹریٹ لا۔ انریبل حاجی محمد اسلم خان صاحب۔ اردو مولوی بہادر علی صاحب ایم کے اور سکریٹری مولوی سید کریم حسین صاحب بیرسٹریٹ لا تھے۔ مولوی سید کریم حسین صاحب صرف عارضی طور پر تھے۔ پہلے مستقل سکریٹری میرٹھ کانفرنس کے موقع پر مولوی سید متا د علی صاحب مالک رفاه عام ایسٹم پریس لاہور۔ اور ۱۹۰۹ء میں اسکے سکریٹری صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب سکریٹری ہوئے۔ مگر یہ صیغہ بھی عالم خواب میں رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۰۶ء کی کانفرنس میں رزلوشن نمبر ۶ کے ذریعہ سے اسے پھر زندہ کیا گیا اور شیخ محمد علی صاحب بی اے ایل ایل بی اس کے سکریٹری قرار پائے۔ اور اس وقت سے ۱۹۰۶ء اس صیغہ نے نہایت سرعت کے ساتھ جیت انگیز ترقی کی ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی ایک خاص تعداد تعلیم و ترقی نسوان کو ضروری وہاں تک پہنچانے لگی ہے۔ خاتون کے نام سے صیغہ کا ایک رسالہ جاری ہے۔ علیگڑھ میں آگست ۱۹۰۶ء سے ایک زمانہ نارمل اسکول قائم ہو گیا ہے۔ جس میں تعلیم کے لئے استانیان تیار کی جاتی ہیں۔ جس کے لئے ہر مائیں بیگم صاحبہ ہوپال کے سور و پنے ہاسٹل مقرر فرمائے ہیں۔ ہر مائیں بیگم صاحبہ نواب صاحب بھادوپور سے بھی امداد کا وعدہ کیا تھا۔ مگر انہوں نے کہ وہ پورا نہ ہونے پایا تھا کہ نواب صاحب کا انتقال ہو گیا۔

ہنر نائی نس آغا خان نے بھی اس کی امداد کا وعدہ کیا ہے۔ دسمبر ۱۹۰۶ء تک زمانہ نارمل اسکول میں ۴۵ لڑکیاں داخل ہو چکی تھیں۔ صیغہ کو بالا وسط ۵ سو روپیہ ماہوار کی آمدنی متفرق چندوں سے ہو جاتی ہے۔ پندرہ ہزار روپے ہر مائیں بیگم صاحبہ بھوپال نے زمانہ کو بس کی تیاری کے لئے عطا کئے ہیں۔ اور ڈھائی سو روپے ماہوار زمانہ نارمل اسکول کے خرچ کے لئے گورنمنٹ صوبجات متحدہ نے منظور کئے ہیں۔ لکھنؤ کانفرنس یعنی ۱۹۰۷ء سے اجلاس کانفرنس کے موقع پر زمانہ دستکاری کی نمائش بھی کرتی ہے۔ جس کو امید سے بہت زیادہ کامیابی ہوئی ہے۔ اور اس نمائش کی ہر مائیں بیگم صاحبہ بھوپال اور مائی صاحبان خاندان ریاست پٹیالہ ہر مائیں کنور مائی صاحبہ پٹیالہ ہنر نائی نس مہاراجہ صاحبہ بھوانی نگر کی ۹ سالہ صاحبہ اودی اور اب صاحبہ مانگرول کی دونوں بیگمات اور ہر مائیں بیگم صاحبہ جھیر نے اپنے ہاتھ کی دستکاریوں کے نمونے بھیج کر نمائش کی سرپرستی کی ہے۔ غرض کہ شیخ عبداللہ صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل انسٹرکٹری صیغہ کی کوششیں ہر طرح مشکور ہوئی ہیں۔ حضور پرورش آفیس کی یادگار شریف آوری میں زمانہ نارمل اسکول علیگڑھ میں تعلیم پانے والی لڑکیوں کو وظیفہ دینے کے لئے ایک فنڈ بھی کھولا گیا ہے۔ جسکی سرکٹری مسٹر نیا ز احمد صاحبہ ہیں۔ کانفرنس کے مذکورہ بالا صیغہ تو پہلے سے قائم تھے۔ مگر ۱۹۰۳ء کی دہلی کانفرنس میں ایک خاص رزلویشن کے ذریعہ سے ان پر دو وصیوں کا اضافہ ہوا۔ یعنی صیغہ اصلاح تمدن اور صیغہ ترقی اردو۔ ان کی کیفیت حسب ذیل ہے۔

صیغہ اصلاح تمدن :- اس کے سرکٹری خواجہ غلام ثقلین صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی قرار پائے۔ خواجہ صاحب نے نہایت سچی

اور بے ریا ہمدردی سے اس شبہ کے مابین مقصود میں غور کر کے قوم کی اصلاح اور بہتری کے لئے عملی بند و مصالح سے کام لیا تھا۔ اور ان کاموں کے متعلق عصر جدید نام ماہوار رسالہ شائع کیا تھا۔ جو کہیں بریکس اپنے خرائض نہایت سچی ہمدردی سے پورے کرتا رہا۔ اور خواجہ صاحب کی سچی ہمدردی سے اکثر شریف خاندانوں اور عاقبت اندیش لوگوں میں

اسکا عملی اثر بھی شروع ہوا۔ گویا ایک کام کی تخریزی ہوئی اور جیسے تخریزی کا قاعدہ ہے کہ کچھ بیج کھیت کی منڈیروں پر جا پڑے اور ضائع ہو جائے ہیں اور کچھ بیج چڑیاں چکاتی ہیں۔ اور کچھ بیج نامعلوم طور سے اڑ گئے نہیں۔ اور کچھ زمین کی شوریٹ باتری و خشکی سے خراب ہو جاتے ہیں۔ باقی جو بیج اچھی زمین پر باقاعدہ طور سے پڑتے وہ فضلی حالتوں کے حسب حال نشوونما حاصل کرتے ہیں ویسے ہی عصر جدید کے پندوسٹ اور خواجہ صاحب کے اسپیش ویکچر کی تخریزی نے بھی اپنے نشوونما کی اسید دلائی تھی لیکن انفرس ہے کہ صیفہ کی جانب سے کانفرنس کی لاپرواہی سے بدل ہو کر خواجہ صاحب نے صیفہ کی سکرٹری شپ کے مسئلہ میں دھاکہ کانفرنس کے موقع پر استغفار دیدیا اور انکی سکرٹری شپ کے ساتھ صیفہ بھی ٹوٹ گیا اور عصر جدید خواجہ صاحب کا ذاتی پرچہ ہو گیا۔

صیفہ صلح ترقی اردو :- یہ صیفہ سنہ ۱۹۰۲ء کی دہلی کانفرنس کے موقع پر ایک خاص رزلویشن کے ذریعہ سے قائم ہوا تھا۔ اور مولانا شبلی نعمانی اس کے سکرٹری قرار پائے تھے۔ اور سال ڈیڑھ سال تک کامیابی سے چلتا رہا۔ کئی کتابیں بھی ترجمہ ہوئیں۔ مگر سکرٹری صاحب کی علالت اور عیدیم الفصتی کی وجہ سے اسکا کام بند ہو گیا اور سنہ ۱۹۰۵ء کی علیگڑھ کانفرنس میں سکرٹری کا استعفا پیش ہوا اور ان کی بجائے جناب مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی ریسپونسیبل ہو کر ضلع علیگڑھ کے سکرٹری ہو گئے جنکی فاضلانہ قابلیتیں ظاہر ہیں۔ تقریر سکرٹری کے وقت اسٹنٹ سکرٹری شپ کے لئے خواجہ غلام الثقلین صاحب بی۔ اے ایل ایل بی نے مولانا سید امجد علی صاحب اشہری مولانا خواجہ غلام حسین صاحب اور مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کے نام بھی تجویز کئے تھے۔ مگر سخت افسوس ہے کہ اگر صیفہ کا نام اب صرف رپورٹوں میں دیکھا جاتا ہے۔ کام دیکھو تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اسپیش کچھ شک نہیں کہ مذہبی اور دنیاوی ضرورتوں اور قوم کی تعلیم اور مغربی علوم کو اپنی زبان میں سمجھنے کے لئے عام مسلمانوں کو اردو کی اصلاح

ترقی کے لئے دامنِ درمے قلمی قدمے آمادہ ہونے کی سخت ضرورت ہے۔ اور وہ اسی زبان کی اصلاح و تکمیل سے اپنی تعلیم و تہذیب پر فخر اور مغربی تعلیم کے مفید نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ کام معمولی باتوں سے پورے نہیں ہو سکتے جیتک کہ ان کے پورے ہونے کے لئے روشن خیال اور ذہنی و جاہست مسلمانوں کی بااثر جماعت بہت بڑی آمادگی اور کوشش متفقہ سے اس کام کو جاری نہ کرے۔ اس صیفہ کے مولانا شبلی صاحب نعمانی جبکہ سکرٹری قرار پائے تھے تو اس سے امید بندہ ہی تھی۔ کہ اردو کی رفتار ترقی پہلے سے زیادہ بڑھ جائے گی مگر مولانا شبلی صاحب کو اس کام کے لئے کافی مہلت نہ ملی اور تین مہر ایک پریسیڈنٹ ایک سکرٹری جو مقرر ہوئے ان کے مقدمات سکونت میں بعد الشریعین کا عالم رہا۔ تاہم پہلے سال جو کام شروع ہوا تھا اس سے امید ہوتی تھی کہ بتدریج اس کی ترقی ہو جائے گی لیکن امید ترقی کی جگہ ہر سال منتزل ہوتا گیا اور اب اس کی ترقی کے آثار محسوس نہیں ہوئے۔ مشتاق طبعیتیں یا یوس ہو چکی ہیں۔ اور اس امر کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ بہرہی خواہ زبان اردو کی دلی خواہش ہے کہ مولانا حبیب الرحمن خالصا حب شردانی علیگڑھ میں ایک بااثر کمیٹی منعقد فرما کر تمام ضرورتوں پر غور فرمائیں۔ جب تک صد کیٹی علیگڑھ اس ضرورت کے مناسب حال اعلیٰ پیمانہ پر کام شروع نہ کرے اور ہر قسم کے کاموں کیلئے فراہمی فنڈ و عطائے معاوضہ کا کافی بندوبست نہ ہو ان برائے نام باتوں سے کام نہیں چل سکتا۔ چند کام جن پر اردو کمیٹی کی توجہ خاص طور پر مبذول ہونا چاہیئے یہ ہیں۔

(۱) اعلیٰ درجہ کی تصانیف کی قرداردانی۔

(۲) قابل قدر تالیفات کی قدر۔

(۳) اعلیٰ تراجم کا قبول کرنا۔

(۴) فنون لطیفہ مثل خوشنویسی و مصوری و نقاشی و موسیقی کی جوہر شناسی

(۵) تمام تصانیف و تراجم وغیرہ کی اشاعت اور الطباع اور فروخت کتب کا انتظام۔

جب تک کوئی بااثر کیشی ان سب کاموں کے لئے تیار نہ ہوگی یہ سب ممکن نہیں چڑھ سکتی۔ امید ہے کہ علیگڑھ اس نہایت ضروری کام کو اپنے درجہ اور وقار اور اپنے مرکز تعلیم ہونے کی عزتوں کا خیال کر کے انجام دینے کے لئے سرگرمی سے آمادہ ہوگا۔

ڈپلومیٹیشن

ڈپلومی سوسائٹی یا انجمن الفرض جو صاحب زادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے اپنی طالب علمی علیگڑھ کالج کے زمانہ میں قائم کی تھی۔ وہ سرسید کے زمانہ میں صرف ایک دوکان بورڈنگ ہاؤس کے اندر تھی۔ یہ دوکان اسٹیشنری اور طلبہ کی روزمرہ کی صرف ضروریات کی کچھ چیزیں اور قومی کتابیں فروخت کرتی اور مختلف روٹریز طریقوں سے اسکے ممبر روپیہ جمع کر کے کالج اور طلبہ کی امداد کرتے تھے۔ جس سے طلبہ کے دلوں میں کالج کے ساتھ بہمدردی اور اس کی امداد کے لئے عملی کام کرنے کی خود بخود ترغیب و تحریص ہوتی تھی۔ مگر نواب محسن الملک کے زمانہ میں اسکے ڈپلومیشن کالج کی بڑی تعطیل کے زمانہ میں ملک کے مختلف حصوں میں جانے شروع ہوئے۔ جس سے اب کالج کو ایک معتد بہ سالانہ آمدنی ہوجاتی ہے۔ ایک مرتبہ اولڈ بوائز ڈنز کے موقع پر نواب محسن الملک نے خود فرمایا تھا کہ پہلے سال جب میں نے ڈپلومیشن روانہ کئے ہیں۔ تو مجھے اس قدر کامیابی کی ہرگز امید نہ تھی۔ ۱۹۰۲ء میں سرسید کی برسی کے موقع پر شیخ عبدالقادر صاحب بی۔ اے بیرسٹریٹ لائے کالج کے اثر کے متعلق خوب ریمارک کیا تھا کہ جتنا پورے محو سرسید پنجاب میں آکر زندہ دلوں کے گرد سے نہ لے جاتے تھے۔ ۱۹۰۲ء اسکے ڈپلومیٹ ڈپلومیشنوں نے ۳۵ ہزار روپیہ جمع کیا تھا اسکے کالج میں طلبہ کی

نواب کالج کو کاہنہ محسن الملک نے اپنی امانت سونپ دی

کارنامے بحیثیت سکرٹری ڈپٹیشن نہایت کامیاب رہے ہیں ان میں سے تین نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یعنی سید مصطفیٰ حسین صاحب رضوی جنہوں نے ۵ ہزار روپیہ جمع کیا۔ سید محمود صاحب نے ۲۵ ہزار اور تصدق احمد خان صاحب شردانی نے ۲۱ ہزار روپیہ اعداد و صرف ۹۰ تک کے ہیں۔

عربک اسکالرشپ

عربک اسکالرشپ یا عربک پوسٹ گریجویٹ ایجوکیشن جنوب محسن الملک کے عہد کی یادگار ہے۔ اسکی ابتداء اسطرح ہوئی کہ سن ۱۹۰۷ء میں جب پروفیسر گارڈن براؤن رعایتی رخصت کے بعد ولایت سے واپس ہوئے تو محققین میں لازہر یونیورسٹی کی سرکری اور علیگڑھ آتے آتے یہ اسکیم پیش کر دی کہ مسلمانوں کو انگریزی کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ عربی کی بھی اعلیٰ تعلیم چاہی کریں۔ اس تجویز کا نام اسکے تجویز کی نسبت سے "براؤن اسکیم" ہوا۔ اور اسکی ہندوستان اور خود کالج کے ہر گوشہ سے سخت مخالفت ہوئی۔ سب سے گرم مخالف خود ذوال محسن الملک تھے۔ کیونکہ ان کے خیال میں عربی کی جانب متوجہ ہو کر مسلمانوں کی انگریزی کی تعلیم کی جانب سے غافل ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ لیکن آخر سخت بحث مباحثہ اور رد و مکد کے بعد یہ اسکیم منظور ہوئی۔ اور عربک پوسٹ گریجویٹ ایجوکیشن کی کلاس کھل گئی۔ تاکہ جو مسلمان طلباء گریجویٹ بننے کے بعد عربی کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں۔ وہ معقول وظیفہ لیکر سلسلہ تعلیم کو جاری رکھ سکیں۔ اس کلاس کے لئے ایک یورپین مستشرق جرمنی سے بلایا گیا ہے۔ اس پروفیسر کے اسٹنٹ عربی و فارسی کے مشہور ادیب مولوی حمید الدین صاحب بی اے ہیں۔ عربی کلاس کے اخراجات کی بابت گورنمنٹ صوبہات متحدہ نے ایک ہزار روپے ماہوار مقرر کئے ہیں۔ اس کلاس کے لئے کافی سرمایہ ہم پہنچانے میں ہمدردان قوم خصوصاً فیاضان اودھ نے بڑی سخیرخی کا اظہار فرمایا ہے۔

کالج کے مغرز مہمان

نواب محسن الملک کی مدت سرکاری شب میں کالج کے اندر بہت سے مغرز مہمانوں کے قدم پہنچنے والے تھے۔ خود کالج اور کل مسلمانوں کو جو عزت نصیب ہوئی اس پر بھلا فخر کیا جائے کم ہے۔ ہزار لکھنٹ گورنر صوبجات متحدہ کا کالج میں تشریف لے جانا تو ایک بالکل معمولی اور روزمرہ کا معاملہ ہے۔ کیونکہ کالج بھلا پیٹرن ہونے کی حیثیت سے ان کا وقتاً فوقتاً کالج کو دیکھنا ضروری ہے۔ لیکن دیگر مشاہیر و عہدہ دار کی تشریف آوری نے ان واقعات کو کالج کی تاریخ کا ایک شاندار باب بنا دیا ہے۔ ۱۹۹۹ء میں ہیرا کیلنسی لارڈ گورنر تشریف لے گئے۔ ۱۹۰۵ء میں جنرل سیرایلف و گینسلی کمانڈنٹ ناردرن کمانڈ کالج میں تشریف لے گئے ہندوستان کے کئی والیان ریاست جیسے ہیرا کیلنسی مہاراجہ صاحب اندور۔ ہیرا کیلنسی نواب رامپور اور ہیرا کیلنسی نواب مالیر کوٹلہ۔ ہیرا کیلنسی سکیم صاحبہ مرشد آباد گذشتہ آٹھ دس سال کے اندر اپنی رونق افزیزی سے کالج کو عزت بخش چکے ہیں۔ کئی ممبران پارلیمنٹ نے بھی خاص طور پر علی گڑھ کالج کو دیکھا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ قابل فخر اور ہمیشہ یاد رکھنے کے لائق دسیر رائل ہائی سنسپرنس و پرنسپس آف ویلز اور پرنسپس شاہ افغانستان کی تشریف آوری ہے۔ حضور پرنس و پرنسپس آف ویلز نے ۱۹ فروری ۱۹۰۵ء کو کالج کا معاملہ نہ فرمایا۔ اور پانچ سو روپے جیب خاص سے کالج فنڈ کو مرحمت فرمائے۔ ہیرا کیلنسی ہائی سنس نے کالج کے ٹریسٹون اور دیگر مغرز مہمانوں کے ساتھ کالج بھی تناول فرمایا۔ ۱۶ مارچ ۱۹۰۵ء کو ہیرا کیلنسی امیر کابل کا درود ہوا۔ ہیرا کیلنسی کالج کے تمام انتظامات سے بے حد محفوظ ہوئے۔ اور ۲۰ ہزار روپے نقد اور چھ ہزار روپے سالانہ علی الدوام کالج کو مرحمت فرمائے ہیرا کیلنسی لارڈ منٹو موجودہ والیس نے وگورنر جنرل ہند اور ہیرا کیلنسی سٹرنل اسٹیشن موجودہ لکھنٹ گورنر پنجاب بھی کالج دیکھنے کا مقصد کر چکے ہیں۔

پرنس آف ویلز سائینس اسکول

ہنر اہل ہائی نرس پرنس آف ویلز کے معائنہ کالج کو اور قبول دعوت کے قوم کو خالی خولی فخر و افتخار ہی نہیں ہوا۔ بلکہ کالج کے لئے ایک نہایت مفید اور قابل قدر درس گاہ کا اضافہ کیا۔ یعنی چھ لاکھ روپے کے خرچ سے حضور مدوح کی یاد گاہ میں پرنس آف ویلز سائینس اسکول کا قایم ہونا قرار پا گیا۔ اور محسن الملک نے عین وقت پر نہایت عجلت سے چندہ کی کارروائی ہی جاری کر دی۔ اس کام کے خرچ و غیر کے لئے چھ لاکھ روپے کا اندازہ کیا گیا ہے اس تفصیل سے کہ دو لاکھ بلڈنگ اور لیبر و مٹیری کے آلات کے لئے چاہئیں اور چار لاکھ روپے کا کیشل چکی آمدنی سے بارہ سو روپیہ ہینہ حاصل ہو۔ یورپین اور ہندوستانی پروفیسروں کی خواہ اور دیگر اخراجات معمولی اوس سے ادا کئے جائیں۔ اس میں جناب راجہ صاحب محمود آباد اور ہرنائین سر آغا خان نے ۳۵-۳۵ ہزار روپیہ چندہ دیا ہے۔ سب سے بڑا عطیہ ایک لاکھ دس ہزار روپے کا سیٹھ آدم جی پیر بھائی (ربہی) کا ہے۔ اتنا بڑا عطیہ اس سے پہلے کبھی کالج کو چھل نہیں ہوا۔ جب اب محسن الملک بہادر نے سیٹھ آدم جی کے اس عطیہ کی اطلاع دی اور جو تار برقی پیغام موصول ہوا تھا وہ پیش کیا تو حضور پرنس آف ویلز نے اپنی زبان مبارک سے سیٹھ صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ زان بعد قریب زمانہ میں دوسرے چندوں سے دو ڈھائی لاکھ روپیہ جمع ہو گیا۔ اور سائینس اسکول کے کشادہ ہونے میں شک و شبہ باقی نہ رہا۔ امید ہے کہ عنقریب مجوزہ رقم فراہم ہو جائے گی۔ اور بوقت قیام درتہ العلوم علی گڑھ میں پرنس آف ویلز سائینس اسکول کی عالیشان عمارت میں مسلمان طالب علم مصروف درس نظر آئیں گے۔

پرشین ڈپلومیشن

۱۹۰۳ء میں کلج کا ایک ڈپلومیشن ایران گیا۔ تاکا ایران میں کلج کا اثر پہنچایا اور وہاں کے مسلمانوں کو کلج سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جائے۔ اس ڈپلومیشن کے سکریٹری میر ولایت حسین صاحب تھے۔ اسے سکند ناصر آیم کے اوکاٹھیل اسکول اور میر سید جلال الدین حیدر صاحب آیم اسے اور سید ابو محمد صاحب تھے۔ اس ڈپلومیشن کے ایران میں بڑی آؤ بھگت ہوئی اور طالب علم ڈپلومیشن کے ہمراہ کلج میں داخل ہونے کے لئے آئے جن میں چند طالب علم شاہی خاندان کے اور باقی امار غلط اسکے تھے۔ ان میں کچھ طالب علم ہندوستان کی آب دہوا سے گھبرا کر واپس چلے گئے۔ اور جو کلج میں موجود ہیں۔ اُنہیں کلج کی تربیت کا خاطر خواہ اثر ہوا ہے۔ چنانچہ ۱۹۰۵ء کی علیگڑھ کانفرنس کے موقع پر آغا محمد اسماعیل پوٹھری طالب علم مدرسہ العلوم نے اپنی تقریر میں کہا تھا۔ ”خدا شاہد ہے کہ ہندوستان بندہ از وقتیکہ باین ملک آدم روز بروز جوش قومی سن زیادہ تری شود۔ مخصوص امر فر دیر کانفرنس اگر خداوند تعالیٰ نصیب بکنند باؤنگر بطن عزیز بروم۔ اگر ان سن سوال بکنند چہ یادگار از ہندوستان آوردی خواہم جواب داد سپہ چیز۔ اول علم۔ دوم جوش قومی۔ سوم محبت وطنی۔“

اولڈ بوائز ایسوسی ایشن

اولڈ بوائز ایسوسی ایشن یعنی کلج کے پڑنے والے طلبہ کی ایسوسی ایشن بھی نواب حسن الملک کے زمانہ میں قائم ہوئی۔ اس کے بانی اور پہلے سکریٹری مولوی بہادر علی صاحب آیم تھے۔ ان کے انتقال کے بعد سے صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب اسکے سکریٹری ہیں۔ ہر سال ایسوسی ایشن کی جانب سے اولڈ بوائز ڈنر کلج میں ہوتا ہے ایسوسی ایشن کا با اثر ہونا اس سے ثابت ہے کہ کلج کے ٹرینیوں نے یہ قاعدہ مندر

کر دیا ہے کہ اس ایسوسی ایشن کے کم از کم تین قائم مقام بورڈ آف ٹرسٹینز میں رہا کریں۔
اسکے ممبر اپنی آمدنی کا ایک فی صدی کلج کو دیتے ہیں۔ یہ فنڈ جس کا نام ون پرنٹ
(ایک فی صدی) فنڈ ہے اب کلج کو کھ سورد پے ماہوار سائنس کی چیک بک ڈیٹ
لگا ہے۔ اور اس فنڈ کو یونائیٹڈ مارتی ہے۔ ایسوسی ایشن کی شاخین بھی ہندوستان
کے مختلف صوبوں میں قائم ہوئی تجویز ہو گئی ہیں۔ نئے احوال ایسوسی ایشن کی ایک
شاخ لاہور میں موجود ہے جو شہر سے قائم ہے۔ اور اس کے بیک ٹری میس
فیض الحسن صاحب آتی آتے ہیں۔

نذہبی تعلیم

اس کلج میں قومی ضرورتوں کے موافق نذہبی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ جو
مسلمانوں کو ہندوستان کے کسی کلج میں نصیب نہیں۔ اور یہی وہ اعلیٰ خوبی ہے
جس سے مختلف شہروں کے طالب علم پانچ وقت آپس میں مل سکتے ہیں۔ ہم
دیکھتے ہیں کہ جیسے عام مسلمان غار پڑھتے ہیں لیکن اسکے معنی سے واقف نہیں یا نہر لو
مسلمان قرآن کی تلاوت کرتے ہیں لیکن اسکے معنی سے خبر نہیں اس سے انکو سلام
کی ذرا حانی تلاوت کا فیض نہیں پہنچتا اور وہ متعلق ربانی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے
وہی حال نذہبی تعلیم ہے کہ عام علما را اپنے تلامذہ کو معقولات و منقولات کا سبق
دیتے صدرائے شمس بازقہ۔ حریری۔ حماسہ۔ اور فقہ و حدیث سب کچھ پڑھاتے
ہیں۔ لیکن اس تعلیم سے شاگردوں کے دماغ روشن نہیں ہوتے۔ نہ انہیں استخراج
مسائل کی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ اور نہ وہ اون علوم کی طاقتوں سے اخلاقی و
کا دوسری قوموں سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔

اسی وجہ سے ہمارا قومی درس اور مضامین تعلیم مردہ ہوتا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ
ہماری قوم کو نذہبی امور سے اتنی غفلت اور بے پروائی ہوتی جاتی ہے۔ کہ خانگی طور
سے انکی نسبت کوئی خاص التفات نہیں۔ اور اس زمانہ کی آنادیلوں نے نئی پودھ

دلوں میں مذہب کی عظمت اور اسکے ادا و نواہی کی جگہ خود رائج اور مذہب کی طرف سے بے پرواہی کو جگہ دیدی ہے۔ با این ہمہ اس کلج میں اگر ایک حد تک مذہب کی پابندی کیجاتی اور مذہبی تعلیم دیجاتی ہے۔ تو کچھ کم قابل قدر نہیں۔

اس زمانہ میں مغربی علوم اور فلسفہ جدید جب تمام مذاہب کیلئے آفت ثابت ہو رہے ہیں تو اسلام کے لئے کیونکر باعث برکت ثابت ہو سکتے ہیں۔ ان کے بافتوں مسلمانوں کو سخت مشکلات کا سامنا ہے۔ اور جب تک ان سے مقابلہ کرنا

کو ہمارے پاس فلسفہ جدید اسلام کے فولادی ہتھیار نہ ہوں اور ہمارا مذہبی نصاب تعلیم مذہب اور فلسفہ دونو حیثیت سے مکمل نہ ہو جائے ہم خالی باتوں سے کام نہیں نکال سکتے۔ اور نہ ہمارے پرانے درس کے نئی روشنیوں میں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اسی

قوی رفیادروں نے بغیر قومی یونیورسٹی کے ان مشکلات کا آسان ہونا دشوار خیال سمیا۔ اور آرنیل سٹیڈ یونیورسٹی کے خیال کو اپنے ساتھ لے گئے۔ ان کے بعد نواب محسن الملک کو اسکی دہن لگی۔ خدا رہ دن لائے کہ مشرقی علوم مغربی علوم کے ساتھ

دوشن و دل نظر آئیں اور فلسفہ اسلام فلسفہ مغرب کی بات بات کا جواب دینے کو پورا طور سے تیار ہونے کی الحال اس کلج میں مذہب کی معنوی تعلیم اور نماز روزہ کا معمولی چرچا اور طالب علموں کا اپنا آپنے مسلمان سمجھنا اور اسلام کو بطور عقیدہ سب مذہبوں کا اچھا جاننا

یہی غنیمت ہے۔ اور نواب محسن الملک ختم الامکان اسکی جانب خاص توجہ کا اظہار فرماتے رہے۔ چنانچہ ہر سال لکھنؤ دیوبند۔ رام پور۔ ٹانک۔ لاہور وغیرہ سے عالم آتے اور مدرسہ العلوم کے طالب علموں کی مذہبی تعلیم کا امتحان لیتے اور

ان کے طرز عمل کو دیکھتے اور ہر امر کی نسبت اپنی باتیں لکھ جاتے ہیں۔ اور کہتی ہیں جب کوئی نامور صوفی اور عالم پہنچ جاتا ہے تو اسکا وعظ بھی طالب علموں کو سنا یا جاتا ہے اور خود نواب محسن الملک بہارہ احکام اسلام میں ملوث طالب علموں کو درستی اخلاق

کی ہدایت کرتے اور اکثر اچھے چھین بطور وعظ کے سامنے رہتے تھے۔ کلج کے ایک گوشہ میں عالیشان سجادہ ہے جہاں سنی اور شیعہ مذاہب علی علیہ السلام

اپنی نماز اور کھانے میں اور ان کو دیکھنے سے اس کالج کی قومی خصوصیت کا اظہار ہوتا ہے۔ دینیات کی کیشیاں بھی سنی اور شیعہ مسلمانوں کی علیحدہ قائم ہیں چین کی توجہ نہ ہی کورس مرتب ہوئے ہیں۔ دینیات کا درس طلبہ کو بالا استقلال دیا جاتا ہے اور دینیات میں امتحان بھی ہوتا ہے۔

سفر زنگون

نواب محسن الملک بہاؤ الدین نے نزدیک دو در کے مسلمانوں کو مغربی علوم کے فائدے سے آگاہ کرنے اور درستیہ العلوم کی تائید و تکمیل کے لیے باوصف ضعف و پیرانہ سال ۱۹۰۲ء میں زنگون جیسے در مقام کا سفر گزارا کیا جہاں کے سچے سیدھے مسلمان اس زمانہ کی ضرورتوں سے دورے طور پر آگاہ نہیں اور وہ حج کر کے کوئٹہ اردوں روپے سال خرچ کر ڈالتے ہیں لیکن اس سے کوئی خاص غرض پوری نہیں ہوتی اسلئے اور حاجت مند قوم کو انکی فیاضیوں سے حصہ نہیں ملتا اسلئے نواب محسن الملک بہاؤ الدین ذات سے وہاں جاسے پر آمادہ ہوئے۔ اور چونکہ اس موقع مقام کے مناسب حال بعض مذہبی خیال کے ارکان کا ہونا ضرور تھا۔ اسلئے اس زمانہ کے مشہور واعظ حضرت شاہ سلیمان صاحب پہلوانی اور مولوی محمد بشیر الدین صاحب میجر اسلامیہ ہائی اسکول آٹاوا کو جو مذہب کے پرورش دہی ہیں۔ اپنی رفاقت میں ساتھ لیا۔ اور پنجاب کے قومی صحافت سرچ مولوی عبدالسلام صاحب در نقی پہلے سے وہاں موجود تھے۔ نواب محسن الملک نے زنگون پہنچ کر عام مسلمانوں کے تحیر و قلوب کے لئے وہ پراثر اسپیچیں دیں اور قومی ہمدردی کے غلط کر اپنی میجر نما تقریریں اسطور سے ادا کیا کہ بڑے بڑے دو تہہ دار پرانی وضع کے رسم و رواج اور مذہب کے تعلق رکھنے والوں کے دل ہل گئے ان کے چہرے اسلام ملے ان کو اور اپنی قوم کی ہمدردی کے لئے آمادہ کر لیا۔ اور نواب محسن الملک بہاؤ الدین غیر متوقع طور سے ۵۳ ہزار روپیہ زنگون سے لیکر علیگڑھ میں اس تشفیہ لائے۔ اور اس پہ بھی یہ مسطورہ نواب صاحب کے خیال میں تھوڑی رہی۔ وہ

فرماتے تھے کہ رنگوں کے دولتمند مسلمانوں میں اسلام کی سچی محبت اور قوم کی سچی ہمدردی اور زمانہ کی ضرورتوں کے احساس کا بہت کچھ مادہ موجود ہے اور انکی فیاضیاں کسی طرح کبھی کے دولتمندوں سے کم نہیں۔ اگر کوئی اس مادہ کو بھجایاں میں لائے والا ہو اور وقتاً فوقتاً اسکی تحریک کرتا رہے۔ تو قوم کو انکی فیاضیوں سے بہت نفع پہنچ سکتا ہے۔ رنگوں میں لاکھوں پٹے کے اوقات بے انتظامی کی حالتیں تھیں۔ انکی نسبت بھی نواب محسن الملک بہادر نے دمان کے ذریعہ بہت اور با اثر مسلمانوں کو باقاعدہ طور سے اسکی نگرانی و حفاظت کو آمادہ کیا اور مولوی عبدالسلام صاحب رفیقی نے خاں طور پر اس خیال کے متعلق کوشش جاری رکھی۔ اسپرنا جانا ہے کہ اوقات رنگوں کے انتظام کے لئے مسلمانوں کی ایک خاص کمیٹی مقرر ہو گئی ہے جو انکی نگرانی اور حفاظت کرے گی اور انکی آمدنیوں جو فضول اور پریشان طور سے خرچ ہوتی اور غبن و غلبہ میں براد جاتی تھیں۔ انکو محفوظ رکھ کر مناسب کاموں میں صرف کرے گی خدا اس کمیٹی کے مسلمانوں کو خیر سے خیر دے۔ اس سال ڈیڑھ لاکھ روپے بھی رنگوں کا تھا۔ اور خاطر خواہ کامیاب ہوا تھا۔

علی گڑھ کالج ایسوسی ایشن لندن

نواب محسن الملک کے وقت میں چند سال سے علی گڑھ کالج اور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے واسطے لندن میں ایک مجلس اینگلو انڈین علی گڑھ کالج ایسوسی ایشن کے نام سے قائم ہوئی ہے۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ اہل انگلستان اور ولایت کے ہندوستانی باشندوں کو علی گڑھ کالج اور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں دلچسپی لینے کیلئے آمادہ کرے۔ یہ بہت ضروری مجلس ہے۔ اور اس مجلس کے تعلیم یافتہ اور روشن خیال ممبر اس مجلس کے ذریعے اپنے قومی اعزاز و رُخ اور اپنی علمی ترقیات کے لئے مناسب وقت کا ردائی کر رہے ہیں اور نہایت اعلیٰ درجہ کے لارڈ اور ممبر و آچو مندر و شان میں رہ گئے ہیں۔ یا جنکو مسلمانوں کی علمی و سیاسی ترقی سے دلچسپی ہے

اس مجلس میں شریک ہوئے اور اپنے خیالات ظاہر کرتے ہیں۔ اس ایسوسی ایشن کے بانی ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب اور سکریٹری مولانا مولوی سید علی بگڑامی ہیں۔ اس ایسوسی ایشن کا جلسہ ہر سال نہایت دھوم سے لندن میں ہوا کرتا ہے۔ اس کی ایک شاخ کیمبرج میں بھی ہے۔

دنِ روپی فنڈ

۱۹۲۰ء کی دہائی کا نفرین میں اجلاس کے پریسیڈنٹ ہنریٹس سر آغا خان نے تجویز کی تھی کہ ہندوستان میں محمدن یونیورسٹی قائم کرنے کے لئے ایک کروڑ روپیہ جمع کیا جائے۔ اس تجویز کی تکمیل اس طرح آسان خیال کی گئی کہ دنِ روپی فنڈ قائم کیا جائے اور ہندوستان کے مستطیع مسلمانوں سے کم از کم ایک ایک روپیہ جمع کیا جائے۔ اس فنڈ کے سکریٹری سید جعفر حسین صاحب انڈیائی انجینئر ریاست گوالیار قرار پائے۔ اور انہوں نے اس کام کو نہایت کامیابی سے مدد دی اور سچے جوش کیساتھ چند سال تک انجام دیا۔ مگر اپنے فرائض منصبی کی وجہ سے آخرا انہیں دنِ روپی فنڈ کی سکریٹری شپ سے مستعفی ہونا پڑا۔ اب اس کے سکریٹری مشرف ظفر عمری اے سابق طالب علم علیگڑھ کالج اور انڈیائی سکریٹری ہنریٹس بیگم صاحبہ بھوپال ہیں۔ اس فنڈ کی کامیابی میں جن لوگوں نے کوشش کی ان میں بنت نصیر الدین حیدر صاحب حیدر آباد خاص شکر یہ کی مستحق ہیں۔ انہوں نے اس فنڈ کی مقدار اب تک صرف تین سو روپے تک پہنچی ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ

آل انڈیا مسلم لیگ ایک انجمن ہے جو ہندوستان کے مسلمانوں کے پولیٹیکل حقوق کی حفاظت سمیت چند سال سے قائم ہے۔ اس کے سکریٹری نواب وقار الدین وقار الملک مولوی سیار شتاق حسین صاحبہ انصاریہ ہیں۔ اس انجمن کو ذرا

محسن الملک کی لایف سے صرف ایسی قدر تعلق ہے کہ ڈیٹا کہ کانفرنس میں نواب وقار الملک
بہادر کیساتھ وہ بھی سکریٹری قرار پائے تھے۔

نواب محسن الملک اور علیگڑہ گزٹ

جہاں نواب محسن الملک مرحوم نے سرسید کے بعد ان کے تمام کاموں کو اپنے ذمہ
لیا تھا۔ وہیں علیگڑہ انسٹیٹیوٹ گزٹ کی ایڈیٹری بھی تھی۔ سرسید کے بعد جنوری
۱۹۰۱ء تک اخبار بند رہا جس کے سبب سے تمام قومی کاموں خصوصاً علیگڑہ کلچر
کی صحیح اطلاعیں وقت پر شائع ہونی بند ہو گئیں۔ نواب محسن الملک کے بعض دوستوں
نے انہیں مجبور کیا کہ وہ اخبار کو از سر نو جاری کریں۔ چنانچہ بڑے اصرار کے بعد انہوں نے
اخبار کے سلسلہ جدید کا پہلا نمبر اپنی ایڈیٹری سے ۱۲ فروری ۱۹۰۱ء کو جاری کیا۔
درمیان میں کئی دفعہ ایسے حالات پیش آئے کہ اخبار کے کام سے ان کا جی چھوٹ
چھوٹ گیا اور وہ اخبار بند کر کے پر آمادہ ہو ہو گئے۔ لیکن پھر اسے سرسید کی یاد آگیا
اور کلچر کا آرگن سمجھ کر جاری رکھا۔ اور سو روپے ماہوار ٹرسٹیوں سے کلچر فنڈ سے
اخبار کو ملنے منظور کر لے۔ فروری ۱۹۰۱ء سے اسکے سکینڈ (دو) نواب محسن الملک
مرحوم کی وفات کے بعد (جین) ایڈیٹر مولانا سید وحید الدین صاحب سلیم بانی تھے
ہیں۔ مولانا کے ہاتھ میں اگر اخبار ملے جو ترقی کی ہے وہ اسے کبھی پیشتر نصیب
نہ ہوتی تھی۔

کلچر کی ترقی کا مختصر خاکہ

۳۱۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو ہنزہ سیریس ڈگس لائوش سابق لفٹنٹ گورنر صاحب
متحدہ جب آخری مرتبہ کلچر میں اشرفیت لے گئے تو انہیں ختمی ایڈیٹر دیا گیا
تھا۔ مناسب موم ہوتا ہے کہ ایڈیٹر نہ کوکریں جتنے کا خلاصہ یہاں درج کر دیا جائے
جس سے مختصر طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۰۸ء میں جب سرسید کا انتقال ہوا
۱۹۰۸ء۔ اب اس سکریٹری جیمز سنسن نے اسے لفٹنٹ سکریٹری حاجی محمد حسن صاحب شروانی رئیس دہلوی ڈپٹی علیگڑہ
کلچر اور پرنٹنگ پریس کے نگران قرار پاسے ہیں۔

روپیہ اس کی واسطے عطا فرمایا تھا۔ اسکے بعد ہی سیٹھ آدم جی پیر بھائی نے ایک لاکھ دس ہزار روپیہ عنایت فرمایا۔ جس کے واسطے تمام قوم ان کی شکور ہے۔ آئریل راجہ علی محمد خان دلی محمو آباد نے ۵۳ ہزار روپے دسمبر ۱۹۰۸ء میں دیئے۔ نواب ممتاز الدولہ فیاض علیخان بہادر نے دس ہزار۔ سر کریم بھائی ابراہیم متوطن بسبی نواب علی حسین خان سید حسن امام۔ خلیفہ محمد حسین۔ محمد نسیم اور سید التفات رسول نے فراخ دلی سے سائنس اسکول کے واسطے چندہ دیا ہے۔ لیکن ہم خاص طور سے ہزار کے ممنوں میں جنہوں نے بڑی عالی حوصلگی سے ہمیں ہزار روپیہ حال میں اس اسکول کے واسطے عطا فرمایا ہے۔ ممتاز بورڈنگ ہوس۔ نواب ممتاز الدولہ بہادر سی۔ آئی۔ ای پریسیڈنٹ ٹرسٹیاں کلج نے تعمیر کرایا ہے۔ پہلے ۸۲ ہزار روپیہ اسکے لئے دیا گیا تھا۔ مگر بعد ازاں نواب صاحب بہادر کی فرمائش سے اسکی مقدار پچاس ہزار تک بڑھا دی گئی تاکہ بورڈنگ میں ۱۲۵ لڑکے رہ سکیں۔ نواب فیاض علیخان صاحب بہادر اس سال ساٹھ ہزار سے زیادہ روپیہ کلج فنڈ کی واسطے دے چکے ہیں۔

یورپین اسٹاف کا اثر

سر سید کے زمانہ میں ایک بار چند انتظامی معاملات کی وجہ سے کلج کے طلبین سخت بڑھی پیدا ہوئی اور فوراً اسی رفع بھی ہو گئی تھی۔ لیکن اس قسم کے اگر ایذا تھا۔ کی تکرار کا داعی اسناد ضروری تھا۔ اسکی تدبیر ایک طویل تجربہ کے ذریعہ سر سید کو آئریل حاجی محمد اسماعیل خان صاحب نے یہ بتائی تھی کہ کلج کے چند انتظامات میں یورپین افسران اسٹاف کو بھی دخل دینا چاہیئے۔ یہ تجویز عام طور پر پسند کی گئی۔ اور نہایت کامیاب ثابت ہوئی۔ لیکن افسوس ہے کہ نواب محسن الملک کے عہد میں یورپین اسٹاف کی مداخلت کلج کے انتظامی معاملات کے اندر حد سے زیادہ بڑھ گئی جو کلج کی خصوصیات اور روایات کے لحاظ سے بالکل ناروایات تھی۔ گو اس خرابی کو ہمیشہ نواب محسن الملک مرحوم کی کفری پر مچھولی سمجھا گیا۔ مگر اس کے

اصلی جواب وہ درحقیقت کالج کے وہ ٹرسٹی ہیں جو کالج کی نگرانی کا تمام بار سنبھال رہے ہیں اور چند دوسرے کام کرنے والے لوگوں پر نہ اس وجہ سے ڈال دیتے ہیں کہ ان کو سنبھالنا اور دیگر کاموں پر بوجھ دیا جاتا ہے۔ بلکہ محض اس سبب سے کہ وہ کالج کی ٹرسٹی سنبھالنے کا نام نہ لیں اور جگہ سنی کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں اور کالج اور قوم کے لئے کسی قسم کی تکلیف برداشت نہیں کرنی چاہتے۔ اگر اتنی اہم ذمہ داری کے کام کو صرف محدود چند لوگ کامیابی کے ساتھ اٹھا سکیں تو پھر ٹرسٹیوں کی اتنی بڑی اور شاندار اجتماعات کی ضرورت کیا ہے۔ المختصر جس طرح سرسید مرحوم کے زمانہ میں شام بہار لال نے روپیہ ضمیمہ اسی طرح نواب حسن الملک مرحوم کے عہد میں یورپین اسٹاف نے سکڑی اور ٹرسٹیوں کے اثر کو غضب کیا۔ جسکے جواب وہ سرتاسر عزیز ذمہ دار بن گئے۔

فیسر ہند کا طلالی نمونہ

نواب حسن الملک بہادر کی اداوالتی اور عالی دماغی اور ان کے شہور آفاق خدمات اور تمام اور نظام گورنمنٹ کی قدر دانیوں سے انکو ان کے شان اور حسب حال خطا بہت نواب حسن الملک حسن الدولہ نے نواز جنگ بہادر سے سرفراز فرمایا اور انکی شہر عام بلندنامی سے ان کے خطاب حسن الملک کو زبانِ ترخانہ عام کر دیا۔ اور انکا یہ خطاب سرکاروں اور دیاروں اور اخباروں میں عام طور سے قبول کر لیا گیا۔ انکے لئے اس سے زیادہ کیا کوئی خطاب ذرا بیشعیرت ہو سکتا تھا۔ لیکن جب کہ جناب موصوفہ کو دربار سرسید شایم کیا گیا۔ اور جبکہ ان کے لائٹانی خدمات کو غیر متوقو فرمایا اور گورنمنٹ کی پالیسی کو امتحان فرمایا حاصل ہوا تو شاہنشاہی دربار سے انکو وہی خطاب چل رہا تھا جو سرسید کو چل رہا تھا۔ مگر دربار تیسری سے تفریق تفریق آوری چند پریشانیوں کے بعد بہادر حسن الملک کا بھی فیسر ہند طلالی مرحمت ہوا۔ اور سرگزشت کو زبردستی چھتہ سجدہ سے اکثر سجدہ میں خود علی گڑھ آکر جامع میں ان نواب حسن الملک مرحوم کے سینہ پر آویزاں کیا۔ ہر خدیوہ اعزاز بھی ہر طرح کے

شکریہ کا مستحق ہے لیکن تمام قوم اور تمام اسلامی اجازات نے اپنے ایسے خالی شان
 لیڈر کے لئے صرف تنہ قیصری کو کافی خیال نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ ایک سبب مغزِ خطاب کے
 ان کو اعلیٰ طبقہ کے خطابیہ یا فتوں کی صف میں شریک نہ کیے کے آرزو مند تھے اور
 اگر گورنمنٹ کے سرکاری ایسی نمایاں خدمات کو انکھیں بند کر کے نہ دیکھیں۔ تو جو
 کے مستحق خطاب بہہ لئے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا۔ اور جبکہ گورنمنٹ ہند سبب ہمیشہ
 ان کے کاموں سے مدد پائی اور ان کے مقبول عام خدمات کو تمام ریزیدنٹوں سے
 تسلیم کیا اور نظام گورنمنٹ کی ہر بار ٹی او کی تحریف میں ربط اللہ ان ہی کو کسی ایک
 رائے کی پولیٹیکل نجی لفت سے ان کی عام خدمات سے قطع نظر کرنا روشن خیال گورنمنٹ
 کے سرکارِ شان نہیں ہو سکتا تھا۔ اور ہر آئینہ دوسرے امین وار طیارے پر اثر ڈالنے
 کے لئے گورنمنٹ کو انکی قابل قدر خدمات کے صلہ میں عطا کئے خطابیہ کو اپنی پالیسی
 کے مزید استحکام کے لئے شہناختیال کرنا چاہیے تھا تاکہ قابل قدر خدمات کے لئے
 دوسروں کے جوصلے پست نہ ہوں۔ پس گورنمنٹ کی ذات سے قوی امید ہے
 کہ وہ مرحوم کے جانشین کو جو یقیناً ذاب و تار الملک بنا رہے ہوں گے کسی شایانِ شان خراج
 دینے سے متاثر فرما کر مسلمانوں کو شکوری کا موقودہ دیگی۔

کلج کے طلباء کی خوفناک شہزاد

گذشتہ چند سال سے کلج اور لورڈنگ ناؤس کے اندر ولی انشطاہات میں
 ایسے نقابوں اور ان کے اندر کی جانب سے یا لوسی کے ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ
 کلج کے طلبہ انہیں کسی طرح برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اور ان کی ناراضی جو بالآخر
 آتشگیر مادہ کی طرح اندر ہی اندر جوش مار رہی تھی جس سے آخر کار راہِ پلج مشن کے
 ایک ایسی خوفناک صورت پیدا ہو گئی کہ اس سے نہ صرف کلج کے لڑکے و لڑکیاں
 بلکہ ہندوستانی ساری اسلامی دنیا میں لرزہ پیدا ہو گیا اور اس کی گنج ہندوستان سے
 گزر کر غیر ملکیوں تک پہنچ گئی۔ اس ناگوار کی واقعہ کی مفصل کیفیت سے ملکِ ہندوستان
 نے سالوں کے خطباتِ تلمیح ہوسے پر ہزار لفظوں کو جس جاتِ مقدہ و محسن الملک علیہ السلام کی
 صاحبِ مذہب نے تو اس موقعہ اندر سے تیار کیا۔ (۱۹۶۱ء میں اور خطبات ملتا)

نہیں ہے۔ یہاں تکا اعدہ شاید ہماری اس کتاب کے احاطہ خارج ہو۔ لیکن مختصر اتنا بتا دینا
 ضروری ہے کہ پانچ مسئلہ کی نمائش علیگڑھ کے موٹھ پر کلج کے ایک طالب علم اور
 پولیس کے سپاہی میں کچھ جھگڑا ہو گیا۔ جس کی رپورٹ صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس نے
 پولیس کلج کو کی جنہوں نے طالب علم کو منراوی۔ کلج کے طالب علموں نے پرنسپل
 صاحب کے اس حکم پر اعتراض کیا۔ کیونکہ وہ اپنے ساتھی کو بالکل بے قصور سمجھتے تھے
 اور وہ خود کسی چشم دید شہادت کے انہوں نے اسے ثابت بھی کر دیا تھا۔ قصہ کوتاہ معاملہ نے
 طول پھینچا اور کلج کلاسوں کے کم درمیں وہ سوطبہ نے ہڑتال کر دی اور کلج چھوڑ کر
 چلے گئے۔ اگرچہ یہ معاملہ بظاہر کچھ زیادہ اہم نہ تھا لیکن کلج کے یو پیو اسٹاٹ اور اسٹین
 کے یو پیو حکام نے اسپر پولیس کلج پر چڑھا دیا۔ اور گوطبہ کے لیڈر معاملہ کے پولیسکل سپر
 سے برابر اڑا کر کہتے رہے تھے تاہم ہر اسے چھوڑ دیا۔ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ خدا خواست
 گورنمنٹ کہیں یو پیو اسٹاٹ کے بیان کو باور نہ کر لے اور یہ معمولی مقامی واقعہ کلج کے
 حق میں ہلکا ضرب نہ ثابت ہو۔ لیکن گورنمنٹ کی دو بینی و تسلیحت اندیشی ہزار
 سختیں و آفرین کی سختی ہے کہ اس نے صورت معاملہ کو اسی نظر سے دیکھا جس نظر سے
 انروزے انصاف وہ دیکھا جانا چاہئے تھا۔ اور ہزار لفظ گورنر صاحبات میں نے
 بنفس نفیس کلج میں تشریف لاکر بغیر غش معاملہ کی نوعیت کی جانب سے مزید اطمینان
 حاصل کیا۔ اس کے بعد پولیسوں نے ایک کمیشن تحقیقات مقرر کیا۔ اور اس نے بھی اپنی رپورٹ
 میں شورش کا تعلق پالٹیکس سے ہونے کے متعلق اسٹاٹ کے بیان کو بالکل بے بنیاد
 قرار دیا۔ اگرچہ اس ہنگامہ بے ہنگام کا خاتمہ خدا کی عنایت سے خاطر خواہ طریق پر ہوا۔
 لیکن نواب خٹن الملک کو اس صدمہ نے آسے طع بٹھا دیا۔ اور اس کا ان کی تندرستی
 پر دج ہمیشہ خراب رہتی تھی۔ مگر قومی کاموں کے اندر انہماک کی وجہ سے وہ اسکی
 کبھی پروا نہ کرتے تھے) ایسا اثر پڑا کہ آخر وہ جان بر نہ ہو سکے۔ وہ کہتے تھے کہ
 میں اس رنج سے گھٹنا جاتا ہوں۔ اور واقع میں ایسا ہی تھا۔ نواب صاحب مرحوم نے
 سکرٹری شپ سے استعفا بھی دیدیا تھا۔ مگر پھر چاروں طرف کے اصرار سے عین آخر میں

علامت

نواب محسن الملک رحمہ کی عام صحت عرصہ سے خراب چلی آتی تھی۔ اور اکثر اعضاء مریضہ ماؤف ہو گئے تھے۔ لیکن جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ کالج طلبہ کی شورش کے بعد وہ ایسے گرے کہ زندگی کی جانب سے بالکل مایوس ہو گئے۔ اور بغرض علاج و تبدیل آب و ہوا حسبِ مول بھی چلے گئے۔ اگرچہ ڈاکٹروں نے کام کرنے سے منع کر دیا تھا۔ مگر وہ برابر قومی کام انجام دیتے رہے اور پونا اور بمبئی میں مسلمانوں کی تعلیم کو متعلق اس زمانہ میں جو جلسے ہوئے ان میں برابر شریک ہوئے اور تیز ترین کمین بیسی کے قیام سے گوئہ افانہ ہوا تھا۔ کہ اٹا وہ سے بڑے بھائی مولوی غلام عباس صاحب مرحوم کی سخت علامت کی اطلاع پہنچی اور وہ بمبئی سے اٹا وہ چلے گئے۔ ۲۳ ستمبر کو اٹا وہ سے علیگڑھ آئے۔ اور وہاں سے شملہ چلے گئے اور ایسے گئے کہ پھر زندہ واپس نہ آئے شملہ چڑھو والی سرائے اور نہر آرزو سڑک پر ڈنرل ایٹن ٹنٹ گورنر پنجاب کے ملاقات کی۔ حضور والی سرائے کی خدمت میں توسیع کونسل والی اسکیم کا اپنی اور اپنی قوم کی جانب سے شکریہ ادا کیا۔ اور سڑک ڈنرل کے تقریبی تار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے بھی اہم سیاسی و قومی معاملات درمیان آئے تھے۔

۲۸۲۷۷

مرض الموت اور انتقال

نواب محسن الملک بہادر جب سیٹی سے شملہ تشریف لائے تو پہلا سیل ہوٹل واقع چڑے میدان میں فروکش ہوئے تھے۔ لیکن وہاں چند یوم ہی رہ کر پیر بابو عبدالاحد صاحب ایٹنٹ انجینئر پبلک ورکس کی کوٹھی واقع سنہولی میں آٹھ آئے نواب محسن الملک کے شملہ تشریف لانے سے ان کے مرض میں بہت کچھ تخفیف ہو گئی تھی اور بفضلِ خدا اچھی طرح سے سر و تفریح کرنے لگے تھے۔ آپ کا اٹا وہ علیگڑھ جانے کا بھی ہوا۔ مگر قضائے ایک قدم بھی آگے رکھنے نہ دیا۔ ۱۳ اکتوبر تک اس قومی حادثہ کا دم نہ گنا

تک نہ تھا۔ لیکن ۱۴-۱۵ تاریخ کو یکا پاک طبیعت بگڑی اور ایسی بگڑی کہ خود نواب صاحب کو اپنی زندگی کا بھروسہ نہ رہا۔ سترج باد کا دورہ ہوا۔ یہ مرض آپ کو پہلے بھی کئی بار ہڑکا تھا۔ مگر اس مرتبہ ایسا سخت ہوا کہ تمام چہرہ اور سر اور گردن پر دم اٹھ گیا۔ جسکی وجہ سے نہ تکمیس تک بند ہو گئی تھیں۔ حضور ایزد نے اپنے خاص مہرجن کو نواب صاحب کے علاج کے لئے متعین کیا۔ زیادتی درم کی وجہ سے دوبارہ عمل جراحی بھووں کے اوپر کیا گیا۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ درم بڑھتا گیا۔ اور دماغ تک اسکا اثر جا پہنچا۔ تمام خون نہ بہ رہا ہو گیا تھا۔ سچا کبھی ایک سو تین ایک سو چار درجہ کارہ بنے لگا۔ آخر میں نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور اپنے دوستوں اور ملازموں کو بلا کر کہا کہ مجھے اپنی زندگی کا اعتبار نہیں ہے۔ پس آپ سب صاحب گاہ ریں کہ میں صدق دل سے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پڑھنا ہوں اور جو کچھ میں نے قوم و ملک کیخدا کی ہیں وہ نیک بنی کے ساتھ کئی گئی ہیں۔ اور اگر انہیں کوئی غلطی واقع ہوئی ہو۔ تو میں بے قصور ہوں۔ کیونکہ میری سب کارروائیاں نیک نیتی پر مبنی تھیں اور میری عزت کا بننے والا میرا خدا ہے۔ دوستو! تم نے میری خدمت بہت کچھ کی ہے۔ مگر اب میری آخری خدمت یہ ہے کہ مجھ کو اٹاؤ پہنچا دینا۔ بس ہی ایک آخری خدمت ہے۔ "اگرچہ دوستوں نے بہت سادہ سادہ دیا۔ لیکن محسن قوم اپنے نزدیک اپنی پیاری قوم سے الوداع ہو چکے تھے۔ وٹل اکبر سے نواب سید سردار علی خان شیر بہی آپ کی ملاقات کو آئے ہوئے تھے۔ گویا اس آخری وقت میں ہی ایک رفیق تھے جو چنیو تم تک کام آئے۔ ان سے بھی فرمایا کہ میری آخری خدمت یہی ہے کہ مجھ کو اٹاؤ پہنچا دیا جائے۔" علاوہ ازیں اور بہت سی باتیں کہیں۔ پھر ایک خط سے فرمایا کہ "اٹاؤ میرے ہستیہ کو خط لکھ دو۔ چنانچہ انہوں نے خط لکھنا شروع کیا جو لفظ زبان مبارک سے فرماتے چلتے تھے۔ وہ صاحب کہتے جاتے تھے۔ اخیر میں یہ لکھ دیا کہ شیراز میں بہت ترقی کر گیا ہے۔ میں شملہ سے اٹاؤ آتا ہوں۔ چونکہ آنکھ پر عمل جراحی کی وجہ سے بڑی بند رہی ہوئی تھی۔ اسلئے جب خط لکھنا چاہا تو اس کو

ٹٹول کر دیکھا اور ایسے ہی ہوش ہوئے کہ پھر ہوشیار نہ ہو سکے یہاں تک کہ اپنے پیچھے کا نام بھی نہ بتا سکے۔ تھوڑی دیر بعد خود بخود باتیں کرنے لگے اور اسقدر غافل ہوئے کہ ہزریان غالب آگیا۔ ۱۵۔ اکتوبر کی تمام رات غافل ہے۔ اور ۱۶ اکتوبر کو شام کے ٹیک سارٹے چار بجے آپکا سرخ روج نقش منھری سے عالم بالا کو پرواز کر گیا اور عین الماکہ بہادر اپنی پیاری قوم سے ہمیشہ کے لئے مجید ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ۝

محسن الماکہ کا اکلہ بند کرنا تھا کہ تمام شہر میں ایک ماتم کا عالم پیدا ہو گیا۔ شہر کے مغز و متاز رؤسا اور امارا کو اطلاع دیدی گئی۔ جنہیں سے بعض بعض اصحاب فوراً بخولی پہنچے۔ اور محسن الماکہ کے سوگ میں شریک ہوئے۔ چنانچہ کرنل محمد عبدالجید خان صاحب ممبر کونسل آف پشیاہ۔ مقام کوہ پٹی سے چلکر پہنچے۔ اور بڑی رات کو تک بیت کے پاس رہے۔ راتوں رات ریل کی سواری کا انتظام کیا گیا۔ اور تمام ہندوستان میں تار برقیان ڈر اڈ گئیں۔ اور حضور اسیع سے کو بھی فوراً خبر دی گئی۔ اور بیت کے واسطے صندوق بھی شباشب تیار کر دیا گیا۔ غرض کہ تمام ضروری کام سر انجام کو پہنچ گئے۔ صبح ہوئے ہی شہر۔ خور و شطہ۔ کوسٹی اور نگر بازار وغیرہ وغیرہ کے لوگ اور اکثر رؤسا و امارا بخولی میں عبدالاحد صاحب کی کوٹھی پر موجود ہو گئے۔ جہاں پر نواب صاحب کا وصال ہوا تھا۔ سب کے بعد جنازہ تیار ہو گیا۔ اور جناب منشی خیر الدین صاحب اور خواجہ عبدالغفار صاحب بابو عبدالاحد صاحب و کرنل عبدالجید خان صاحب ممبر کونسل آف پشیاہ وغیرہ وغیرہ موجود تھے۔ جیب صندوق میں لاش رکھ کر چہرہ مبارک دکھایا گیا اسوقت رقت اور آہ دیکھا کا عجب عالم تھا۔ سب کے بعد بخولی سے لوگوں نے جنازہ اپنے اپنے گھروں سے اٹھایا۔ اور عموماً تمام شہر شہر کے مسلمان جنازہ میں شامل ہوئے۔ گر جاگہ کے میدان میں جنازہ کی نماز پڑھائی گئی اگرچہ جامع مسجد میں نماز پڑھنے کا ارادہ تھا۔ مگر چونکہ ریل گاڑی کی روانگی میں تھوڑا عرصہ رہ گیا تھا۔ اس واسطے کہ جاگہ کے میدان میں جنازہ کی نماز پڑھی گئی۔ تاکہ

فارغ ہو کر جنازہ کو سیدھے اسٹیشن ریلوے پر لے گئے۔ گاڑی بھی بالکل تیار کھڑی ہوئی تھی۔ لیکن کرنل عبد المجید خان صاحب ممبر کونسل آف پیٹالہ لے یہ انتظام کیا تھا کہ ایک یورپین فوٹو گرافر جنازہ کی تصویر لینے کے لئے موجود تھا۔ چنانچہ فوراً جنازہ پہنچے ہی اس کی تصویر دو حالتوں میں لے لی۔ ایک میں جنازہ رکھا ہوا ہے اور اسکی چاروں طرف تمام مسلمان کھڑے ہوئے ہیں۔ اور دوسری فوٹو میں کرنل عبد المجید خان ممبر کونسل آف پیٹالہ اور دیگر اصحاب جنازہ کو اپنے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ صندوق پر سفید چادر تھی اور پادری ایک دو شالہ ڈال رکھا تھا۔ اور دو شالہ پر پھول تھے۔ فوٹو سے فارغ ہونے کے بعد غش کو گاڑی میں رکھا گیا۔ لاش کا صندوق نیواٹکے پتنگ پر رسیوں سے باندھ دیا گیا تھا۔ اس پتنگ کو مع صندوق گاڑی میں جیتا سے رکھا اور نواب مرحوم کے دو پرانے ملازم گاڑی میں لاش کے پاس بٹھائے گئے۔ نواب محسن الملک بہادر کی لاش کے ہمراہ ایک توڑا کٹر شفا اللہ صاحب تھے۔ جو علیحدہ سے نواب صاحب کی بیمار داری کے لئے تشریف لائے تھے۔ دوسرے انکے کمپوٹر تھے۔ اور تین وفادار ملازم اور کرنل عبد المجید خاں صاحب آف پیٹالہ بھی اسی گاڑی میں سوار ہو کر شملہ سے رخصت ہوئے۔

تدفین کا جھگڑا

نواب صاحب کا انتقال ہونے ہی شملہ سے ہندوستان کے ہر حصہ کو حقیقتاً ٹرسٹیان کلج کی اطلاع کے لئے تار برقیان دوڑنے لگی تھیں۔ ایک تار اسی وقت سید سردار علی خاں صاحب کیجا نے قائم تھکر ٹری علی گڑھ کلج کے نام پہنچا جس کا مضمون یہ تھا۔

”یہ اطلاع دینے سے دل خون ہوتا ہے کہ آج شام کے چھ بجے نواب محسن الملک بہادر کا انتقال ہو گیا۔ کل شب کو کھلتے میل سے ان کی لاش اٹا دے کو جا بیگی۔“
اس غیر متوقع تھکر تار کے جواب میں مدینہ العلوم سے فوراً اس مضمون کا

تارشلہ کو بھیجا گیا۔ ”اٹا وہ کو لاش کیوں جاسے گی۔! ان کو یہاں دفن ہونا چاہیے۔“
اس تار کا جواب حسب مندرجہ ذیل وصول ہوا:-

نواب صاحب کی لاش ان کی اس وصیت کے مطابق جو انہوں نے مرتے دم کی ہے
اٹا وہ کو جائے گی۔“

اس جواب کے وصول ہونے پر علیگڑھ سے نواب صاحب مرحوم کے عزیزید اشفاق حیدر
بنی لے آٹا وہ کو اس غرض سے بھیجے گئے کہ وہ وہاں جا کر اس امر کی کوشش کریں کہ ان کے
اہل خاندان علیگڑھ میں نواب صاحب مرحوم کے دفن ہونے پر رضا مند ہوں۔

صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب نے مفصلہ ذیل ارجحیت تاجید آباد کوں یکم جمادی
منہر محسن الملک کی خدمت میں روانہ کیا۔ ”نواب صاحب محسن الملک مرحوم کی لاش کا
علیگڑھ کالج میں دفن ہونا مناسب ہے نہ کہ اٹا وہ میں۔ آپ اپنی مرضی سے نوٹز ابو اسی
تار اطلاع دیں۔“

ٹرسٹیان موجودہ علیگڑھ نے نہایت عجلت کے ساتھ ایک جلسہ کر کے بالاتفاق
یہ امر پاس کیا۔ کہ نواب محسن الملک بہادر کے جو بیشمار احسانات درستہ العلوم پر ہیں ان کے
محافظ سے درستہ العلوم میں ان کا دفن کیا جانا مناسب ہے یہ گویا ان احسانات کا اعتراف ہے۔
سر سید مرحوم کے ساتھ انہوں نے مثل دائیں بازو کے کام کیا اور ان کے بعد کالج کراچی
چیر تناک ترقی ان کی سرگرمیوں اور کوششوں سے ہوئی کہ خود سر سید کے خواب خیال میں بھی
نہ تھی۔ سر سید کے پہلو میں دفن کئے جانے کا حق ان سے بڑھ کر کس کو ہو سکتا ہے۔ اگر
نواب صاحب مرحوم نے کوئی وصیت اٹا وہ میں دفن کیلئے جاسے کی نسبت کی ہے تو
اسکی وجہ غالباً یہ ہوگی۔ کہ خان بہادر زین العابدین مرحوم کے دفن کئے جانے کے بعد
وجہ سے بہ رزولوشن پاس کیا گیا تھا۔ کہ آئندہ کوئی شخص کالج میں دفن نہ ہونے پائے
اس رزولوشن کا حال نواب صاحب مرحوم کو معلوم تھا انہوں نے اس خیال سے کہ درستہ
العلوم میں میرے دفن کئے جانے کی نسبت شاید کوئی دقت ہو اگر اس قسم کی وصیت کر دی
ہو۔ تو کوئی تعجب نہیں۔ مگر ان کی حالت خاص ہے۔ ان کی ذات پر اس رزولوشن کا

کوئی خاص اثر نہ ہونا چاہیے۔ درشتہ العلوم کی نہایت بڑبڑتی ہوگی اگر ان کی لاش کسی اور جگہ دفن کی جائے۔ انہوں نے اپنی تمام زندگی درشتہ العلوم اور قوم کی خدمت میں قربان کی اور وہ مرتے دم تک بس اسی ایک دھن میں محور رہے اس لئے ان کی لاش نہیں دفن ہونی چاہیے۔ اگر اس باب میں نواب صاحب مرحوم کے عزیزوں کو کچھ اختلاف ہو تو اسکی وجہ ان کی عزیزداری کی فیملنگ ہے مگر یقین ہے کہ آئندہ وہ بھی اس تجویز کو پسند کی نظر سے دیکھینگے اور ہماری اس تحریک کی قدر کریں گے۔ ۱۴۔ اکتوبر کو رات کے دو بجکر ۱۳ منٹ پر کلکتہ ہسپتال ٹرین علیگڈہ کے اسٹیشن پر پہنچی اسوقت شہر کے ہسپتال معزز لوگ اور طلبائے درشتہ العلوم و ڈسٹیاں کالج موجود علیگڈہ موجود تھے۔ نواب صاحب مرحوم کی لاش کا تابوت جس گاڑی میں تھا۔ اس میں نواب صاحب مرحوم کے ملازم جہانگیر خان اور غنی سوار تھے۔ ڈاکٹر شفاعت اللہ بھی جو شملہ پر علاج کے لئے بلائے گئے تھے اسی ٹرین میں واپس آئے تھے۔

علیگڈہ میں ٹرین کے پہنچنے پر صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب اسٹیشن ماسٹر صاحب کے گاڑی میں کوہا نواب صاحب مرحوم کے عزیز سید شفاق حسین بھائی آکر جو علیگڈہ سونا وہ کو اس شخص سے پہچان گئے کہ نواب صاحب عزیزوں کو لاش کے علیگڈہ دفن ہونے پر آمادہ کریں۔ اور بعض دیگر اصحاب نے جہانگیر سے نواب صاحب مرحوم کے عزیزوں کی طرف سے آئے ہوئے تھے۔ اس امر سے اختلاف کیا اور خواہش کی کہ گاڑی نہ کافی جائے بلکہ اسکو آمادہ تک جانے دیا جائے۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب نے نواب صاحب کے عزیز نذیر بیگ صاحب کو جو دہلی سے اسٹیشن میں نواب صاحب کے تابوت کے ساتھ آ رہے تھے۔ اسٹیشن ماسٹر کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ یہ نواب صاحب مرحوم کے عزیز ہیں اور لاش کے ساتھ آ رہے ہیں۔ ان سے اس امر کی بابت دریافت کر لیجئے اسٹیشن ماسٹر نے نذیر بیگ صاحب سے دریافت کر لیکے بعد گاڑی کاٹنے کا حکم دیا۔

۱۵۔ اکتوبر کو دن کے دس بجے کی گاڑی میں نواب وقار الملک بھائی بھی ریلوے اسٹیشن علیگڈہ پر پہنچے نذیر بیگ صاحب نے ان کی اور دیگر ڈسٹیاں کی موجودگی میں نواب صاحب مرحوم کے دونوں ملازموں اور ڈاکٹر شفاعت اللہ صاحب کو اپنے سامنے

بلوایا اور ان کا اظہار لیا اور اس امر کی تحقیقات کی کہ آیا نواب صاحب مرحوم نے اس باب میں کوئی وصیت کی ہے یا نہیں۔

جب یہ امر خوب پایہ تحقیق کو پہنچ گیا کہ نواب صاحب مرحوم نے اپنی تدفین کے متعلق کوئی وصیت نہیں کی تھی تو نواب وقار الملک بہادر بذات خود گاڑی کے پاس تشریف لیگئے اور نواب حسن الملک کا تابوت ان کے غیزروں کی موجودگی میں گاڑی سے اُتار لیا۔ حاضرین نے تابوت کو ایک ہنگ پر رکھا اور اُس پر ایک سفید درشاں ڈالا۔ پھر اس ہنگ کو کندھوں پر اٹھا کر کالج کی طرف لے چلے اس وقت پر لے گیا رہ بجے تھے۔ نواب وقار الملک بہادر نے بیان کیا تھا کہ جن جن مقامات سے انکار گزر ہوا تمام مسلمان اس امر کی آرزو ظاہر کرتے تھے۔ کہ نواب صاحب مرحوم کی لاش درستہ العلوم علیگڑہ میں دفن کی جائے۔ نماز جمعہ کے بعد درستہ العلوم کی مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھی گئی۔ جس میں ٹرٹیا کالج و طلبائے موجودہ علیگڑہ اور شہر کے بہت سے آدمی شریک تھے اس کے بعد ٹھیک تین بجے تابوت سے لاش نکالی گئی۔ اور اس احاطے میں جسٹس خان بہادر سید زین الدین مرحوم کی قبر ہے۔ اور جو سرسید مرحوم کی قبر کے احاطے سے متصل ہے نہایت حسرت اندہ کے ساتھ دفن کی گئی۔ یہ قبر جس میں لاش دفن کی گئی سرسید مرحوم اور سید زین الدین مرحوم کی قبروں کے درمیان ہے نواب صاحب مرحوم کے غیز سید اشفاق حسین نے خود بچہ بزرگ کی لاش کو قبر میں اتارا اور مرزا ندیر بیگ صاحب نے بھی اس کام میں مدد کی۔ مسجد سے باہر ہزاروں غریب اور محتاج آدمیوں کی بھیر بھری۔ جنگو ایلج اور پیسے تقسیم کئے گئے۔ لاش کے دفن ہونے کے بعد تمام حاضرین نے فاتحہ پڑھی اور چٹیم پڑیم کلج کی مسجد سے رخصت ہوئے۔ سوم کی فتح ۲۰۔ اکتوبر کو ادا کی گئی۔

نواب محسن الملک مرحوم کی زندگی سے چند سبق

نواب محسن الملک مرحوم کی زندگی نہایت بیش بہا تھی ختمِ کائنات پہان چند باتیں مولانا سید ولید الدین صاحب رحمہ اللہ نے یہ خبر سنا کر کہی تھی میں جو انکی تعلیم میں داخل نہیں اور نہ رتبہ طبیعت ان کی ہے

تھیں اور جن سے نہایت قیمتی سبق آجکل کے مسلمانوں کو حاصل ہو سکتے ہیں۔
 نواب حسن الملک کی آغاز و بنیاد یہ عادت تھی کہ جو کام ملازمت کا ان کے سپرد
 کیا جاتا تھا۔ وہ اس کو خوب جی لگا کر انجام دیتے تھے۔ اور اس انجام دینے میں نہایت
 محنت اور جفاکشی کرتے تھے۔ جی لگا کر کام کرنے اور محنت و کوشش کا پورا حق ادا کرنے
 کے سبب ہر ایک کام۔ جو کہ وہ لکھتے ہیں۔ لیتے تھے۔ اولیٰ حالت سے اعلیٰ حالت میں
 ترقی کر جاتا تھا۔ اسی سبب ان کے افسر بھی ان سے خوش رہتے تھے اور ان کی ترقی
 خواہ دعوہ کے لئے ہر وقت کمر بستہ رہا کرتے تھے۔

ایک عادت نواب حسن الملک مرحوم میں یہ تھی کہ وہ مختلف عقائد کے لوگوں سے
 نہایت دوستانہ برتاؤ کرتے تھے۔ ان کے دوستوں کا حلقہ سرسید مرحوم کی نسبت زیادہ
 وسیع تھا۔ بھائی۔ پارسی۔ یہودی۔ ہندو۔ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لوگ
 ان سے ملاقات کرتے تھے۔ اور کسی کو ان سے شکایت نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ سب ان
 حسن اخلاق کے مزاج اور ثنا خوان پائے جاتے تھے۔ ملاقات کے وقت کبھی کوئی ایسی
 بات ان کی زبان پر بھولے سے بھی نہیں آتی تھی۔ جو کسی اگر وہ کے آدمی کے لئے بخیر
 اور باعث شکایت ہو۔

نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ خصلت جو نواب صاحب مرحوم میں پائی جاتی تھی۔ وہ یہ
 تھی کہ کسی شخص کے اختلاف رائے سے ان کو کسی معاملہ میں سنج نہیں ہوتا تھا۔ وہ
 نہایت خندہ جبہ سے ہر شخص کے اختلاف رائے کو سنتے اور اس پر غور کرتے تھے۔ یہ اختلاف
 رائے کسی شخص کی طرف سے خواہ تحریری ہو یا کوئی شخص ان کے روبرو زبانی طور پر اختلاف
 رائے کا اظہار کرتا۔ یہ ممکن نہ تھا کہ اس کے پڑھنے یا سننے کے بعد ان کے غور پر کوئی
 بل آتا۔ بعض موقعوں پر ہم نے یہاں تک دیکھا ہے کہ لوگوں نے ان کے سامنے
 نہایت دیدہ و بینی کے ساتھ ان کی ذات پر حملے کئے اور اختلاف رائے ہی پر نہیں
 کسی۔ بلکہ کلمہ کھلا مخالفت کا اظہار کیا۔ تاہم وہ اس مخالفت کو اپنی مانتھشی کے ساتھ
 انگیز کرتے رہے اور کوئی ایسی حرکت ان سے ظہور میں نہیں آئی۔ جو ان کی شان کے خلاف

ہوتی۔ حاضریں پر اس محل کا بہت نمایاں اثر ہوتا تھا۔ اور اکثر حیرت میں غرق ہوجاتے تھے۔ ایک عادت ہمیشہ سے نواب حسن الملک مرحوم میں یہ تھی کہ وہ ہر ایک نئی بات کو قبول کرنے میں اول اول ہچکچاتے تھے۔ مگر جب یہ ثابت ہوجاتا تھا۔ کہ وہ بات معقول ہے تو ان کے پہلے خیالات کے خلاف ہے۔ تو بخوشی اسکو قبول کر لیتے تھے۔ اور جب تک کہ اسکے خلاف کوئی بات ثابت نہیں ہوتی تھی۔ اسکو برابر ماننے رہتے تھے اور زبان اور قلم سے اسکی ہمیشہ حمایت کرتے تھے۔ اسی عادت نے ان کے خیالات کو ترقی دی تھی اور ان کے دل دماغ کو منور کیا تھا۔

مرنے دم تک نواب حسن الملک کو مطالعہ کا شوق رہا۔ انگریزی اردو اور عربی کے سب سے رسالے اور اخبار ان کے پاس آکر پڑھتے تھے۔ اور ڈاک کے آنے پر وہ نہایت سرگرمی کے ساتھ ان کے دیکھنے میں غور ہوجاتے تھے۔ عربی۔ فارسی۔ اردو اور انگریزی کی کتابوں کا ایک کتب خانہ ان کے ساتھ رہتا تھا۔ رات کو بنگ پر لیٹ کر جب کتاب کو وہ چاہتے مطالعہ کرنے لگتے تھے۔ اور قابل یادداشت مقامات کا نشان اس کتاب کے حاشیے پر کرتے جاتے تھے۔ جب ساری کتاب دیکھ چکے۔ تو کتاب کے اول میں قلم قابل یادداشت مقامات کے عنوان اپنے قلم سے لکھ کر ان کے سامنے صفحات کے نمبر لکھ دیا کرتے تھے۔ اس عادت نے ان کی معلومات کے دائرہ کو بہت وسیع کر دیا تھا۔ جن لوگوں سے ان کی جان پہچان اور ملاقات ہوتی تھی ان کے ساتھ وہ ہمیشہ فیاض سلوک کرتے تھے۔ نہ حکام کو ان کی نسبت سفارش لکھنے میں پہنچتے تھے اور نہ بانات خود ان کی مدد کرنے میں کوتاہی کرتے تھے۔ سینکڑوں آدمیوں کو جو مختلف قوم اور مذہب کے تھے۔ انہوں نے نوکر رکھوایا اور سینکڑوں کے ساتھ اپنی ذات کے حکم کیا۔ نیامنی اور سخاوت ان کی گھٹی میں تھی۔ اسی ہی وہ عمدہ عادت تھی۔ جس کے سبب سے بے شمار آدمی ان کے دام اخلاق میں ہمیشہ کے لئے ایسے رہ گئے تھے۔

اپنے ماتحتوں اور نوکروں کے ساتھ نواب حسن الملک مرحوم کا برتاؤ وہی تھا۔ جو مامون رشید کا برتاؤ تھا۔ ان کے عفو و تحمل کی عادت نے ان کے نوکروں کو کسی قدر

شیخ کر دیا تھا اور اکثر اوقات وہ ان کی شان کے خلاف گستاخی کر بیٹھتے تھے۔ مگر ممکن نہ تھا کہ وہ کسی لوکر کو اس کی گستاخی کی سزا دیں۔ یا ہمیشہ کے لئے اس سے ناراض ہو جائیں۔ لہذا ان کی عادت کو سمجھتے تھے اور اسلئے جب کبھی وہ کسی لوکر پر خفا ہوتے۔ تو وہ اپنے تئیں نہایت مسرورہ اور ناراض بنا لیتا تھا۔ اس حالت میں بڑا صاحب مرحوم خود اس لوکر سے اپنے بڑاؤ کی معافی مانگتے تھے۔ اور بار بار مانگتے تھے جب تک کہ وہ یہ نہ کہہ دے کہ اب میں آپ کے راضی ہوں۔

قومی کاموں میں وہ اپنا روپیہ بے دریغ صرف کرتے تھے اور انکو مطلق خیال نہیں ہوتا تھا۔ کہ اس ایثار کا ان کے ذاتی اخراجات پر کیا اثر ہوگا۔ سرسید مرحوم نے جب مدرسہ العلوم قائم کیا تھا۔ وہ ہمیشہ بے مانگے اور ان کے مانگنے پر اپنے پچھلے سے مدد کی امداد کو لے رہے۔

نواب حسن الہک اپنے دشمنوں اور مخالفوں سے کبھی انتقام نہ لیتے تھے نہ اس خیال کو اپنے دل میں آنے دیتے تھے۔ وہ نہایت پاکیزہ خصلت اور شریف طبیعت بزرگ تھے۔ کبھی ان کے کسی مخالف یا دشمن کو یہ خیال نہیں آتا تھا کہ وہ اس سے انتقام لینے کے درپے ہیں۔

نہ ایام ملازمت میں اور نہ بعد ایام ملازمت کے کبھی ان کے دل میں حُب جاہ کا خیال آیا۔ وہ جو کام کرتے تھے۔ اسغرض سے نہیں کرتے تھے۔ کہ گورنمنٹ ان کو کوئی اعزاز عطا کرے گی۔ یا قوم ان کے اصانات کا اعتراف کرے گی۔ ان کے تمام سرکاری اور قومی کام۔ جنکو وہ نہایت سخت محنت اور سرگرمی سے کرتے تھے۔ حُب جاہ اور غرضمندی کے شائبہ سے پاک اور متبراہوتے تھے

جس قدر قومی کام بڑے سے بڑے ان کے ماحول سر انجام ہوئے۔ اگر ان میں ایک کام بھی کسی اور کے ماحول سے انجام پاتا۔ تو اس کے لئے نہایت فخر اور تعلی کا متبع تھا۔ مگر نواب حسن الہک کے کبھی اپنی ستائش یا تعلی کا اظہار خلوت یا جلوت اور تحریر یا تقریر میں نہیں کیا۔ وہ اپنے تئیں قومی کاموں میں ہمیشہ گناہ رکھنا چاہتے تھے۔

تمام وہ انسان جو قوم کی خاطر اپنی ہستی کو بھول جاتے ہیں اور اپنی شخصیت کو مٹانے پر کمر بستہ رہتے ہیں یہ ممکن نہیں کہ ان کی ذات گمنام ہو جائے اور ان کا نام و نشان دنیا میں چاند سورج بیکر نہ چمکے۔ نواب محسن الملک کی اسی بے نام و نمودرہ کرم کام کرنے کی عادت نے ان کو دنیا نے اسلام میں علم النبوت قومی لیڈر بنا دیا تھا۔

مرحوم ذاتی صفات کے لحاظ سے مادرہ روزگار تھے۔ اس درجہ اس عزت اس رتبہ پر ان کے اخلاق کا یہ حال تھا۔ کہ اس نے درجہ کے آدمیوں کو بھی بہادری و عزت ملتے تھے۔ ملاقات میں ہمیشہ پیش قدمی کرتے تھے۔ سب جھک کر ملنے تھے۔ ان کے ساتھ نہایت فرخ حوصلہ۔ فیاض سخی اور جواد تھے اور یہی اوصاف تھے جن کی وجہ سے انہوں نے ایک عالم کو مستحضر کر لیا تھا۔

یادگار اور جانشینی

۱۸۔ اکتوبر کو نواب محسن الملک مرحوم کی تدفین کے بعد ٹریڈیوٹس کے پہلا جو کام کیا وہ یہ تھا کہ مرحوم کی کوٹھی پر بصدرت نواب وقار الملک بہادر ایک جلسہ ہوا۔ جس میں تحریک کی گئی کہ نواب محسن الملک مرحوم کی یادگار میں ایک پورڈنگ ٹانگ ٹاؤن تعمیر کرنے کے لئے ایک لاکھ روپیہ عام چندہ سے جمع کیا جائے۔ بعد اس پورڈنگ ٹانگ ٹاؤن کے کرایہ کی آمدنی سے طلبہ کو وظائف دیئے جائیں۔ مگر بعد میں خیال کیا گیا۔ کہ اس غرض کے لئے ایک لاکھ روپیہ کافی نہیں ہے۔ کم از کم تین لاکھ روپیہ ہونا چاہیے۔ اس محکم کے فراہم کرنے کے لئے محسن الملک میموریل فنڈ کمیٹی قائم ہو گئی ہے جبکہ پریسیڈنٹ نواب وقار الملک۔ سکریٹری خان بہادر نواب محمد مرزا الدخان صاحب اور جنٹل سکریٹری ڈاکٹر عنیا رالدین احمد صاحب ہیں۔

۱۸۔ اکتوبر ہی کے جلسہ میں یہ بھی طے ہو گیا تھا کہ علی گڑھ کالج کی سکریٹری کا عہدہ جو نواب صاحب مرحوم کی وفات سے خالی ہو گیا ہے۔ وہ جلد سے جلد پُر کیا جائے۔ انتخاب سکریٹری شپ کے لئے ۱۵ دسمبر مقرر ہوئی ہے۔ چونکہ

خان بہادر نواب محمد فضل اللہ خان صاحب ایک حصہ سے کالج کے جنٹ سکریٹری شپ کا کام کر رہے ہیں اسلئے ممکن تھا کہ آپ کو بھی انتخاب میں لایا جاتا۔ لیکن خان بہادر مدوح نے نہایت دانشمندی کے ساتھ اپنا نام انتخاب کے الگ کر لیا اسوقت عام رائے اور اکثر ٹریٹیوں کا رجحان نواب وقار الملک بہادر کی جانب ہے۔

عام ماتم اور عزائمات

نواب محسن الملک مرحوم کی وفات نے کل ہندوستان میں عموماً اور سندھ و سوات کے مسلمانوں میں خصوصاً ایک غیر معمولی ہل چل ڈالی ہے۔ اور ان کا ماتم نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ہندوستان کے باہر بھی کیا گیا ہے ہر حقہ ہند میں بے شمار ماتی جلے ہوئے ہیں۔ اور لاتعداد تعزیتی تار اور خطوط عید گدہ پہنچے ہیں۔ گورنمنٹ کے تمام اراکین اور اکثر اعلیٰ حکام تک نے اظہارِ تاسف و ہمدردی کیا ہے۔ بہت سی والیان ریاست اور امرا اور کوسار نے ماتم پرسی کی مراسلہ ادا کی ہیں۔ اور تمام ملکی اور اکثر غیر ملکی اخبارات نے ماتمی مضمون لکھے ہیں۔ انرض نواب صاحب معذور کے ماتمی لٹریچر کا ایک دفتر ضخیم اتناک تیار ہو چکا ہے۔ جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اور میں معلوم کتب تک جاہلی رہیگا۔ ان کی خدمات کو گورنمنٹ اور ملک قوم کے حق میں ہوتا۔ بیش بہا تسلیم کیا گیا ہے۔ حضور نظام عالی مقام نے مرحوم کی تعلیمی خدمات کے اعتراف میں مرحوم کی بیگم صاحبہ کا وظیفہ حین حیات ۳۰ سو روپے ماہوار کا مقرر کیا ہے۔ اس زمانہ میں ہندوستان کے لہذا نواب محسن الملک مرحوم کا ماتم غالباً صرف سرسید کے دوسرے درجہ پر ٹھہرا ہے۔

مرانی اور تار خجائے وفات

اگرچہ نواب محسن الملک مرحوم کی وفات پر کثرت سے مرثیے لکھے گئے ہیں۔ اور بیشمار تار خجائیں بھی لکھی ہیں۔ لیکن اس کتاب میں صرف مولانا حالی مدظلہ العالی کی

لئے نواب وقار الملک بہادر کے اختلاف منتخب ہو گئے۔

رباعیوں اور مولانا سید امجد علی صاحب اشہری کے مرثیہ اور چند بہترین
مادائے تیغ پر اکٹفا کی جاتی ہے :-

رباعیان

ایہا ہات وہ تعلیم کا حامی مہدیؑ لہ سید کا وصی قوم کا مادی مہدیؑ
برسوں یہ صدائے ہیگی کلج میں بلند مہدیؑ مہدیؑ! دریغ مہدیؑ مہدیؑ

۱

مرکز مہدیؑ نے زندگانی پائیؑ جی کہو کے بزلے جانفشانی پائیؑ
زندہ تھے تو چند روزہ مہمان تھے یہاں جب مر گئے عمر جاودانی پائیؑ

۲

بے عذر ہر ایک کام انجام دیاؑ ٹھکنے کا نہ بھول کر کبھی نام لیاؑ
جو کام پہ اس کے نکتہ چین تھے شوق دیاؑ دی جان انہیں کے کام میں کام کیاؑ

۳

مہدیؑ کے گئی نہ دل سے کلج کی لگنؑ یاں تک کہ ہوا اس کے کفنِ زیبینؑ
پورا کیا جیسے پال نے دینِ مسیحؑ اس نے یونہی پورا کیا سید کا مشنؑ

۴

دم بھر نہ کبھی جان کو آرام دیاؑ خدمت کے لئے قوم کی مَرمر کے جیاؑ
پیری ہوئی سدا راہ اسکی نہ مرض صدیوں کا تھا جو کام وہ برسوں میں کیاؑ

۵

دراس میں سوتوں کو جگایا جا کر نوؑ غل علم کا برہما میں مچایا جا کرؑ
چھائی ہوئی مُردنی جہاں قوم میں تھیؑ دان آب حیات ان کو پلایا جا کرؑ

۶

پیری میں جوانوں کو کیا بات اُس نےؑ آرام پہ اپنے ماردی لات اُس نےؑ
تبیر سے محنت سے دکھا دی سب کوؑ کلج کی ترقی میں کرامات اُس نےؑ

مفتی محمد رفیع الدین صاحب دارالافتاء
(نصف پست میلانا اشہری صاحب جلال مقیم کاشغر)

اس وقت کے جو حرکت میں وہ ہوش رہا ہیں

سرخ سرخ ہوا بارہ احمر کے سبب سے

سبب قلعہ نعلیق سے دل جواہر طلسم سے

پتہ پر کیسی یاس کھڑی پاس از پتہ

نزدیک قلعہ اس کے ہے دور سے

ہر لڑکے سے تالوت پہ دربان شہنشاہ
 ہوا کہ میں تیرے لئے ہوں باغ و جنت
 پہلے سے ہی مہدی کیلئے کا درجہ
 شہر کے مسلمان ہیں کر سب تیرے خدمت

۱۷
 ۱۸

فردوس میں روشنگر نام اب وجہ ہو
 آدم کے قرین آدم ثانی کی محسوس ہو۔
 لیکن نہ ہوا حسب صحت یہ سر انجام افسوس اٹا وہ نے نہ پایا شرف نام
 جو خاص محل تھا وہ ہوا وقف رہ عام خالی ہے مہدی سے نہیں کے درہم
 مہدی نے نہ جا روضہ عباس میں بانی
 بجائی کے قرین دفن ہوا آہ نہ بھائی
 پڑھنی والدہ میں دو بھائی ہیں انکے میں ایک امیر ایک علی وجہ حسن سے
 وہ دفن محسن پر پس از دفن کھتے پہنچے دل تھام کے تا دیر رہے فاسخ پڑھتے
 اب فاسخ پڑھنے کے سوا کچھ نہ رہا تھا
 موقع ہی نہ اسکا تھا جو محسن نے کہا تھا
 شمس العدا شبلی نعمانی و حالی بھر ہوں سخن آرائے مضامین خیالی
 طوبایں لگا آئیں نئے رنگ کی ڈالی ہوں رنگ جسے دیکھ کے فردوس کی مالی
 فردوس میں غل ہو نہیں دیکھی مستم المی
 طوباکہ ملتی نہیں شاخیں بہم المی
 لے خلد علیگڑھ تر آدم ہوا رخصت پنجاب تر اقبال عالم ہوا رخصت
 بنگال تر امولش ہدم ہوا رخصت مدراس تر امصلح عظیم ہوا رخصت
 لے دہلی و لاہور عسکری اور ابہم ہو
 لے کھنڈ و اگرہ مسرور الم ہو
 جیسو تھا اس باغ کا وہ آج رواں ہے گلزار علی باغ حسن و قنبر خزان ہے
 رنگینی رنج سحرئی عارض سے عیاں ہے غم قوم کے بچوں کیلئے خوش ناز ہے
 لے ہیر لڑیں سوا کا نام ہو جہان روضہ عباس لاف ہو ملے پر بہنی نام ضلع متعلق اورنگ آباد ملہ اندور
 سترل انڈیا کی مشہور ریاست ملہ مولوی سید امیر حسن صاحب تعلیم دار و دل (مکملہ) ضلع پٹنہ
 ملہ مولوی سید علی حسن صاحب ریونیو مہر کوٹسل ریاست اندور ملہ - شیخ آبادہ کے وطن
 لے - کیفیت پیدا کی تھی ہوا ملہ

گلگونہ ملا چہرہ پہ ہے رنگ شفق کا
ہوتا ہے گمان چہرہ پہ سونے کے طبق کا
پیدا ہوئی تہذیب کی جیلے پیشانی نو اسکے رخ روشن سے ملی قوم کو یہ صنو
پھیلا در دیوار پہ اس ماہ کا پر تو اک شمع منورہ نے نئی طرح سے دی تو
سید کا معادن رہا وہ شادی و غم میں
وہ آپ نظیر اپنی تھا احسان و کرم میں
جو کام دکن میں کئے مقبول ہیں سارے جو کام تھے بگڑے وہ فراس سے سنا
کالج تھا تنزل پہ پہمت نہیں ہار پھر اسکو لگا لائے ترقی کے کنارے
سید کے زمانے سے بہت بڑھ گیا کالج
شاہوں کی نگاہوں پہ بھی اب چڑھ گیا کالج
کس شان سے کی اس نے تہ تکمیل عمارت ہر قصر سے شاہانہ عیان ہوتی ہے ستار
چندہ میں ملے پندرہ لاکھ لکھی بدلت شہزادہ سے منظور کرائی وہیں دعوت
کابل کے امیر اس کی مدارات سے آئے
شاہی کے خیالات فقیری میں دکھائے
عبرت کی ہے جافا غمناک وایا اولی الایضا رودادے ہوتیں جناروں کے خبر دا
توضیح مقاصد کی ضرورت نہیں نہا اجمال سے تفصیل معافی ہے خود ار
مذہب کے نہ آزاد ہو یا بند عمل ہو
تا وقت پہ کوئی نہ ذلل ہو نہ خلل ہو
ہے محسن مرحوم کی لایف کا بڑا کام دستوار ہے سید کی بھی لایف کے سوا کام
کہا لطف اگر چھیڑ کے کوئی ہے ناکام یہ کام ہے خاص اسکو نہ سمجھو سخن عام

سید پر سن آت ویلز ولی عہد انگلستان و ہندوستان ۱۹۰۲ء

سید - نہرو جی محمد حبیب الدخان بہادر فرمانروائے افغانستان ۱۹۰۲ء

تاریخ وفات کے اندر یہ دل چسپ تطابق دریافت کیا ہے کہ جو مادے
سرسید کے لئے ہجری سنین میں ہیں وہی نواب محسن الملک کے لئے
فضلی سال کے لحاظ سے ہیں۔ مثلاً غفرلہ جس سے ۱۲۱۰ھ نکلتے
ہیں۔ اگر اس سن کو فضلی فرض کریں۔ تو یہی نواب محسن الملک کی بھی
تاریخ وفات ہو سکتی ہے۔

نمونہ خط نواب محسن الملک

بہن و سب باکسر، جاہل و رستہ رستہ جاہل و رستہ

ادراے اسکا سر کرنا، سر نہ سے

تمام شد

خیر الدین بابر و سہیل اس مشہور مسلمان امیر البحر کے جنگی کارناموں اور مسلمانوں اور عیسائیوں کی بحری حالت کا مختصر بیان (۳۲) صفحہ ۳۳۔

لاڈلہ لارنس سپہ سالار افواج انگلستان کی سابق سپہ سالار افواج ہند کی سوانح عمری (۶۴) ۵۸

حکیم ارسطو حکیم ارسطو اقلیس یونانی کی زندگی ۴۴ صفحہ ۳۳

چہار مقالہ نظمیں - عرصی بہر قندی کے مشہور کتاب حکایات مشاہیر شعر لے ارباب قابل دیدہ

نیچمن فرینکلن امریکہ کے مشہور فلاسفر و براہ راخیا نویس کی سوانح عمری اپنے اپنے سے لکھی ہوئی

کامیابی حاصل کی ہے۔ منشی محمود عالم انڈیا پریس اخبار نے ترجمہ کیا ۴۴ صفحہ ۳۳

جنرل گارڈن - چین و مصر کا مشہور انگریزی جنرل (۲۰) صفحہ ۲

حیات سودا - ملک الشعراء بہار فرغ السودا مشہور چنگو (۱۰۸) صفحہ ۴

حیات نادری - ایشیا کے مشہور بہادر سپاہی شہنشاہ نادر کی حیرت انگیز ترتیب اور بیانوں کا حال ۲

جان ملٹن - ملک الشعراء انگلستان کی سوانح عمری (۴۴) صفحہ ۲

جوزف یونیٹی - اسرائیلی تاریخ کی زندگی اور جدو

سبقتی امور حالات جس ہفتہ تک تمام ضروری حالات پر اظہار و عمل کے

تذکرہ اشوک - ہندوئی کی جاتی ہے اور انگریزی - عربی - ترکی وغیرہ اخبارات کے

مذہب کے خاص اور ہندوستان میں ترجمہ کر مروج ہو کر ہے ہر ایک کو اپنی تمام اہلیات

موقع نصایر حصہ اول سے زیادہ اہتمام سے خیر بہم پہنچانے کا فکر حاصل ہے

اور مشہور لوگوں کی عمدہ اپنی نیت از ان قیامت اور ہرگز نہ پائی

بہر حالات موجود ہیں - ہندوستان پھر کے تمام ادوار اختیار سے زیادہ چھپنے والا

کے لئے ناموں - قیامت سے محض اکل نقطہ اڑھائی پڑے دیا پیش قیامت

نہیں - ملے - کی دسویں تین ہزار کتابیں ہر ایک خریدار کو مفت ملے گی

الضاح حصہ دوم - قابل دیدہ مکتب حالات تقطیع بالا کے ہیں - ۳

۱ - حصہ سوم - اس میں ستائیس قابل دیدہ حالات معد تصویریں ملے گی

۲ - چارم - اس میں تیس نصایر قابل دیدہ موجود ہیں

۳ - پانچ - اس میں تیس نصایر قابل دیدہ موجود ہیں

۴ - چھ - اس میں تیس نصایر قابل دیدہ موجود ہیں

۵ - سات - اس میں تیس نصایر قابل دیدہ موجود ہیں

۶ - آٹھ - اس میں تیس نصایر قابل دیدہ موجود ہیں

۷ - نو - اس میں تیس نصایر قابل دیدہ موجود ہیں

۸ - دس - اس میں تیس نصایر قابل دیدہ موجود ہیں

<p>بھارہ فیض ہمارے شہنشاہ ہندوستان ایک دور و بہتر خداوند زمانہ تاج پوشی تک ۱۲ صفحہ اور تک زیب البوم نظیر کے مفصل حالات - از مولوی (۱۳۳۱) صفحہ ۱۲ تذکرہ امیر بایقصر میر خدا داد افغانستان کی زندگی عبدوب عالم صاحب ایڈیٹر ونشنات (۱۳۸۰) صفحہ شاہ مظفر الدین -</p>	<p>انتخاب الجواب دنیا کے تمام تہارت و کچھ نہیں کا عطر و عروس نہیں ہزار ایسے شہری یعنی ادھل حضار دل پہلا دوا تھیں کہیں ہرچہ جس کو جو کسی زندگی اردو زبان میں مل سکتے ہندوستان کی کئی کتاب جس میں کی کئی کتابیں ہیں جیسا اردو زبان میں کئی ہے۔ ناظرین میں کئی قسم کے انعام نصیب ہو سکتے ہیں انعام انگاروں کو سوا دھن دیا جاتا ہے۔ ہفتہ وار اشاعت ۱۲ صفحہ کلن فیت کھولنا ک جا رہے ہیں (۱۲۷) صفحہ لینے کا ہے۔ منیر میندا صاحب ر لا ۱۲۷ -</p>	<p>تاجار شہنشاہ ایران ہوان کے شہزادوں وغیرہ کی چالیس تصاویر کے ۱۲۸ صفحہ عمر اینڈر و کاننگ - امریکہ کے اس مشہور کرکٹ کھیل کی زندگی کے تمام و کمال حالات موج میں جسے معلوم ہو تا ہے کہ یہ دو ممتاز اور فاضل شخص جو چین میں ایک غریب جلا ہے کا بیٹا تھا۔ کس طرح اپنی عقل خدا اور وقت باز سے دنیا کے نوا کے کارخانوں کا بادشاہ بن گیا۔ ۱۲۷ صفحہ ۱۲ پیشہ اعظم - سلطنت روس کے بانی بادشاہ کا تذکرہ (۵۲) صفحہ ۳۸ پریڈیکٹ کرکٹ کی سوانح عمری - ٹرنسوال سابق پریڈیکٹ کرکٹ کی زندگی کے حالات کرکٹ اپنی ذالی لیاقت اور وجاہت سے دنیا کے نامور آدمیوں میں شمار ہوتا ہے (۱۶۷) صفحہ ۱۲ جیات راجہ بھول - شہنشاہ اکبر کے لندن میں سے اس صاحب دانشور کے حالات و اشعار اور اشعار حالات دربار اکبری و دیگر امرائے دربار ۸۸ صفحہ ۶ تذکرہ شیکسپیر - انگلستان کے زندہ جاوید ملک الشعراء کی سوانح عمری ۲۸ صفحہ ۲ تذکرہ محمود - سلطان محمود غزنوی کی سوانح عمری ۳۴ صفحہ ۲ جبل کا ریشلڈ - یہ محقق اور مرور کا سطح اضلاع متحدہ امریکہ کا پریڈیکٹ ہو گیا۔ ۹ صفحہ ۳۸ کرکٹ کرکٹ لمبیں - امریکہ کے دریافت کرنے والے مشہور جہازران کے حالات ۸ صفحہ ۳۸ منیر کا بیدار - انگلستان کے سابق وزیر اعظم اور مدبر کے حالات ۸ صفحہ ۳۸ سوانح عمری راجہ رام موہن - خا برست محب الوطن فاضل سوانح کی زندگی کے دلچسپ ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے</p>
<p>بھارہ فیض ہمارے شہنشاہ ہندوستان ایک دور و بہتر خداوند زمانہ تاج پوشی تک ۱۲ صفحہ اور تک زیب البوم نظیر کے مفصل حالات - از مولوی (۱۳۳۱) صفحہ ۱۲ تذکرہ امیر بایقصر میر خدا داد افغانستان کی زندگی عبدوب عالم صاحب ایڈیٹر ونشنات (۱۳۸۰) صفحہ شاہ مظفر الدین -</p>	<p>بچوں کا اخبار انگلستان اور امریکہ میں کم از کم ایک اخبار بچوں کی تعلیم و تربیت تعلیق شائع ہوتے ہوتے مگر اردو زبان میں کم ہندوستان میں ایسا ایک اخبار شائع نہیں ہوتا اس کی کوڑ کرنے کیلئے بچوں کا اخبار ہی آج تک تھا کا زمانہ پہلی بار سہ ماہی شائع ہوا شروع ہوا سو اور سو کے تمام اعتبار ادھل لالے کوکوں اور کچھ تعلیم کے کٹر افسر نے بچوں کے اخلاقاً غاب اور تعلیم و تربیت کے لائحہ عمل میں نیکم کیا ہو کوئی بانی بچہ والا گھر اس کی نہ رہے نیت سالانہ (۱۲) منیر میندا اخبار لاہور -</p>	<p>تذکرہ شیکسپیر - انگلستان کے زندہ جاوید ملک الشعراء کی سوانح عمری ۲۸ صفحہ ۲ تذکرہ محمود - سلطان محمود غزنوی کی سوانح عمری ۳۴ صفحہ ۲ جبل کا ریشلڈ - یہ محقق اور مرور کا سطح اضلاع متحدہ امریکہ کا پریڈیکٹ ہو گیا۔ ۹ صفحہ ۳۸ کرکٹ کرکٹ لمبیں - امریکہ کے دریافت کرنے والے مشہور جہازران کے حالات ۸ صفحہ ۳۸ منیر کا بیدار - انگلستان کے سابق وزیر اعظم اور مدبر کے حالات ۸ صفحہ ۳۸ سوانح عمری راجہ رام موہن - خا برست محب الوطن فاضل سوانح کی زندگی کے دلچسپ ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے (۳۲۲) عا مارٹن لوٹھر - پروٹسٹنٹ ریفارمر کی زندگی - ۲۲ وان ہیمبولڈٹ - مشہور عمری ۲۰ صفحہ ۲ اکابر اسلام - جس میں ۲۵ ۲۴ خوشنویسان اور ۲۴ امریکا</p>

9245424

CALL [0195] ACC. No. 24226

AUTHOR []

9555405

کتاب

26.9.95

میت جاودانی

Date	No.	Date	No.
26.9.95	55		



Maulana Azad Library ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:-

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over - due.

